قیمت : چار روپے

انٹرنیشنل
# مِلّی ٹائمز
نئی دہلی
اُردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

## بمبئی میں کانگریس کے خلاف

# مسلمانوں کا اعلان جَنگ

## افغانستان میں امن کا سورج

اس شمارے میں



اس کے علاوہ بہت سارے اہم موضوعات اور مستقل کالم

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| AUSTRALIA | A$3.50 | DENMARK | D. KR. 14.00 | ITALY | LIT. 3,000 | NEWZEALAND | NZ$4.95 | SRILANKA | Rs40 |
| BANGLADESH | Taka20 | FRANCE | Fr10 | JAPAN | | NORWAY | N.KR12.00 | SWEDEN | Kr15 |
| BELGIUM | Fr70 | FINLAND | F. MK 10.00 | KOREA | W 1.800 | PAKISTAN | Rs. 15 | SWITZERLAND | Fr3 |
| BRUNEI | B$4.50 | GERMANY | DM3.50 | MALAYSIA | RM3.00 | PHILIPPINES | P25 | THAILAND | B40 |
| CANADA | C$.3.50 | HONGKONG | HK$15.00 | MALDIVES | Rf12.00 | SAUDIARABIA | SR3 | U.K. | £1.30 |
| CHINA | RMB 12.50 | INDONESIA | RP 3.400 (INC.PNN) | NETHERLANDS | G3.30 | SINGAPORE | S$2.50 | U.S.A. | US$3.00 |

# کیا راماراؤ نشہ بندی نافذ کرنے میں واقعی مخلص ہیں

## ریاستی انتظامیہ کی شہ پر آرڈیننس کے خلاف عدالت میں اپیل

آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ این۔ ٹی۔ راماراؤ نے الیکشن جیتنے کے لئے عوام کے سامنے دو اہم ایشوز رکھے تھے۔ ایک دو روپے کلو چاول اور دوسرا پوری ریاست میں مکمل نشہ بندی۔ انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ حلف برداری کے فوراً بعد ان کے لئے احکامات جاری کر دیں گے۔ دو روپے کلو چاول فراہم کرنے کا حکم بھی صادر ہو گیا ہے اور 16 جنوری سے نشہ بندی بھی نافذ ہونے جا رہی ہے۔ نشہ بندی کے لئے انہوں نے ایک مہینے کا وقت دیا۔ حالانکہ اس تجارت میں لگے لوگوں کو خدشہ تھا کہ وزیر اعلیٰ حلف لینے کے بعد ہی پابندی لگا دیں گے۔ ان دونوں ایشوز نے راماراؤ کی جیت میں اہم رول ادا کیا تھا یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے میں احکامات صادر کرنے میں انہوں نے تاخیر نہیں کی۔ نشہ بندی لاگو کرنے پر ریاست کو 13 سو کروڑ روپے اور دو روپے کلو چاول کی فراہمی پر 12 سو کروڑ سالانہ کا خسارہ ریاست کو برداشت کرنا پڑیگا۔ راماراؤ نے مرکز سے اس سلسلے میں امداد طلب کی تھی جس پر وزیر اعظم کی جانب سے حوصلہ شکن جواب ملنے پر انہوں نے اپنے بوتے پر اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن جہاں تک نشہ بندی کا معاملہ ہے تو یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وزیر اعلیٰ اس میں کامیاب ہو جائیں گے اور یہ کہ مکمل طور پر نشہ بندی لاگو ہو جائے گی اس سلسلے میں راماراؤ کی نیت پر فی الحال شبہ تو نہیں کیا جا سکتا لیکن انہوں نے آٹھ مدارج کو اس پابندی سے مستثنیٰ کر دیا ہے اور دوسری طرف ان کی انتظامیہ کے لوگوں کی کوشش یہ ہے کہ وہ نشہ بندی میں ناکامی کا الزام عدالت کے سر ڈال دیں، شاید اسی لئے انتظامیہ کے لوگوں نے شراب کی تجارت کرنے والوں سے اس حکم کے خلاف رٹ پٹیشن دائر کروا دی ہے جس پر ابھی فیصلہ ہونا باقی ہے۔ اس نکتے پر آکر شکوک و شبہات سر اٹھاتے ہیں اور خیال گزرتا ہے کہ کہیں یہ راماراؤ کا سیاسی اسٹنٹ تو نہیں تھا اور یہ کہ نشہ بندی کے سلسلے میں ان میں اخلاص کی کمی ہے۔

> میڈیکل اجازت نامہ لیکر شراب بیچنے کو اس سزا سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ غیر ملکیوں، اور پانچ ستارہ اور تین ستارہ ہوٹلوں کو بھی اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت ساری قانونی خامیاں بھی اس آرڈیننس میں ہیں جن کا سہارا لیکر شراب بیچنے اور پینے کی اجازت حاصل کی جا سکتی ہے۔

**نشہ آور اشیاء سے سب سے زیادہ آمدنی مہاراشٹر ریاست کی ہوتی ہے۔ آندھرا پردیش دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ پوری ریاست میں شراب کے دس ہزار بار، ریسٹورینٹ اور کھدرا دوکانیں** ہیں جن میں تین لاکھ سے زائد افراد لگے ہوئے ہیں۔ اس سے قبل کانگریس حکومت نے بھی شراب بندی کی کوشش کی تھی لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکی اس سلسلے میں راماراؤ وزارت میں ایکسائز کے وزیر کا کہنا ہے کہ دراصل اس وقت اس تحریک کو عوامی حمایت نہیں ملی تھی لیکن اس بار اسے عوامی حمایت بھی حاصل ہے۔ واضح رہے کہ خواتین کی کئی تنظیموں نے اس اقدام کا خیر مقدم کیا ہے اور اسکو کامیاب بنانے کے لئے اپنے بھرپور تعاون کی یقین دہانی کرائی ہے۔

12 جنوری سے ریاستی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہو رہا ہے۔ اس اجلاس میں شراب بندی کے آرڈیننس کو ایکٹ کی شکل میں پاس کیا جائے گا۔ اگر کسی وجہ سے یہ ایکٹ پاس نہیں ہوا تو پھر آئینی اڑچن کی بناء پر نشہ بندی نافذ نہیں ہو پائے گی۔ آرڈیننس میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شراب فروخت کرتا ہوا پکڑا گیا تو ایک ہزار روپے کا جرمانہ یا ایک سال کی سزا یا دونوں کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی شراب پیتا ہوا پکڑا گیا تو اسے ایک ہزار روپے کا جرمانہ یا چھ مہینے کی سزا یا دونوں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میڈیکل اجازت نامہ لیکر شراب بیچنے کو اس سزا سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ غیر ملکیوں، اور پانچ ستارہ اور تین ستارہ ہوٹلوں کو بھی اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت ساری قانونی خامیاں بھی اس آرڈیننس میں ہیں جن کا سہارا لیکر شراب بیچنے اور پینے کی اجازت حاصل کی جا سکتی ہے۔

آرڈیننس کے اعلان کے بعد میڈیکل پرمٹ لینے والوں کی بھرمار لگ گئی ہے۔ ایکسائز ڈیپارٹمنٹ کے افسران کا خیال ہے کہ اس اعلان کے بعد کم و بیش 25 ہزار میڈیکل پرمٹ جاری کئے جا چکے ہیں۔ تامل ناڈو کے تجربے کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ اب آندھرا پردیش میں بھی میڈیکل پرمٹ راج قائم ہو جائے گا اور نشے کے عادی اس پرمٹ کی آڑ میں اپنا اور دوسروں کا شوق پورا کرتے رہیں گے۔ نیز بدعنوان افسران کی بھی بن آئے گی اور وہ رشوتیں لے لے کر میڈیکل پرمٹ جاری کریں گے۔

راماراؤ

حکومت کا کہنا ہے کہ نشہ بندی کے پیچھے سب سے بڑا محرک غریبوں کو شراب نوشی میں پیسہ برباد کرنے سے روکنا ہے۔ لیکن اس بزنس میں لگے ہوئے لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم سب لوگ بے روزگار ہو جائیں گے کیا راماراؤ کو اس کا خیال نہیں ہے۔

جہاں تک غیر ملکیوں کو اس پابندی سے مستثنیٰ رکھنے کی بات ہے تو اس سلسلے میں لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ بات بھی صاف نہیں ہے کہ وہ کہاں کہاں شراب پی سکتے ہیں۔ کیا وہ فائیو اسٹار اور تھری اسٹار ہوٹلوں سے شراب کی بوتلیں لاکر دوسرے مقامات پر پی سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک شراب خانے کے مالک ستیش کھنہ کا کہنا ہے کہ کیا راماراؤ یہ سمجھتے ہیں کہ غیر ملکی صرف تین ستارہ اور پانچ ستارہ ہوٹلوں ہی میں جاتے ہیں اور میرے بار میں بھی آتے ہیں تو کیا میں انہیں شراب پیش نہیں کر سکتا؟ ادھر بہت سارے ریسٹورینٹس والے اپنے ریسٹورینٹ کو تھری اور فائیو اسٹار ہوٹلوں میں تبدیل کرنے پر غور کر رہے ہیں۔

اس صورت میں ایسا نہیں لگتا کہ حکومت کی یہ کوشش کامیاب ہو جائے گی۔ ایک دولت مند بلا نوش کا کہنا ہے کہ اس آرڈیننس سے غریب ضرور متاثر ہو سکتے ہیں پیسے والے نہیں۔ میں تو کرناٹک یا مہاراشٹر سے شراب منگوا کر اپنا شوق پورا کر لوں گا۔ وہ نایک ٹرانسپورٹ کمپنی کا مالک ہے اس کے کئی ٹرک چلتے ہیں اس لئے وہ فخریہ کہتا ہے کہ میں کسی بھی ٹرک ڈرائیور سے کہہ دونگا وہ بوتلوں کے ڈھیر لگا دیگا۔ اس تجزیے کی روشنی میں ایسا لگتا ہے کہ شراب بندی کا شوشہ ایک انتخابی شوشہ تھا اور اگر یہ مہم ناکام ہوتی ہے تو وزیر اعلیٰ کے آرڈیننس کی خامیاں اور حکومت کی نیت میں خلوص کی کمی ہی اس کا ذمہ دار ہوگی۔

# شناختی کارڈ کے مسئلے پر لالو پرساد یادو اور ٹی این سیشن میں ٹکراؤ

## بہار اور اڑیسہ میں صدر راج کا خطرہ

اگر ایک طرف بہار کے وزیر اعلیٰ لالو یادو بڑے بول بولنے کے ماہر ہیں تو دوسری طرف چیف الیکشن کمشنر ٹی۔ این سیشن بھی ان سے کم نہیں ہیں۔ دھمکی آمیز بیانات جاری کرنے میں دونوں شخصیات کا جواب نہیں۔ اور اگر دونوں ایک دوسرے کے مقابل آ جائیں تو صورتحال مضحکہ خیز بھی ہو سکتی ہے اور [illegible]ین .ی۔ فوٹو شناختی کارڈ کے معاملے پر دونوں جانب سے اب تک جو بیانات آ رہے تھے ان کی روشنی میں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ یہ معاملہ سنگین رخ اختیار کر سکتا ہے۔ ہوا بھی وہی۔ یعنی دونوں کے دھمکی آمیز بیانات اگر اس طرح جاری رہے اور دونوں اپنے اپنے موقف پر اٹل رہے تو بہار آئینی بحران سے دو چار ہو سکتا ہے۔ ایسا نہیں محسوس ہوتا کہ اس آئینی بحران کو ٹالنے کی کوئی بھی کوشش کامیاب ہوگی۔

لالو یادو

دونوں تیغ بے نیام کی صورت ایک دوسرے کے مقابل آ گئے ہیں ایک طرف سیشن یہ دھمکی دیتے ہیں کہ فوٹو شناختی کارڈ کے اجرا کے بغیر میں کسی بھی ریاست میں الکشن نہیں ہونے دوں گا تو دوسری طرف [illegible] یادو جواب دیتے ہیں کہ کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو کمزور اور لچر بنیاد پر الیکشن روک سکے اور عوام سے ان کا ووٹ دینے کا حق محض اس لئے چھین سکے کہ انکے پاس شناختی کارڈ نہیں ہے۔

سیشن نے گذشتہ سال ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ 1995 میں ایسی کسی بھی ریاست میں الیکشن نہیں ہونے دیں گے جہاں 31 دسمبر 94 تک شناختی کارڈ کا کام مکمل نہ ہو گیا ہو۔ بعد میں انہوں نے یہ تاریخ بڑھا کر پندرہ جنوری 95 کر دی۔ لالو یادو بار بار یہ کہتے رہے کہ اس مدت تک ان کی ریاست میں کارڈ کا کام مکمل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ان کی ریاست میں یہ شرط بے معنی ہے۔ دھیرے دھیرے وقت گزرتا رہا اور الیکشن کی تاریخوں کا اعلان ہو گیا اور بہار میں شناختی کارڈ کا کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔ الیکشن کمشنر کے سخت موقف کے پیش نظر لالو یادو نے سپریم کورٹ میں اس حکم کے خلاف پٹیشن داخل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ دوسری طرف سیشن کا کہنا ہے کہ کوئی بھی طاقت فروری میں الیکشن کرانے سے مجھے نہیں روک سکتی اور جہاں کارڈ نہیں جاری کئے گئے ہوں گے وہاں میں الیکشن نہیں کرواؤں گا۔

اس صورت میں صدر راج لاگو ہو جائے گا۔ لالو یادو اس سے بچنا چاہتے ہیں اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ عدالت سیشن کی "ہٹ دھرمی" پر پابندی لگا دے تاکہ انہیں کارڈ بنوانے کے لئے مزید وقت مل جائے اور وہ صدر راج سے بچ جائیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انتخابی معاملات میں عدلیہ مداخلت کر سکتی ہے؟ ماہرین قانون کا خیال ہے کہ عام طور پر عدلیہ کو اسکی اجازت نہیں ہے۔ پٹنہ ہائی کورٹ کے ایک معروف وکیل کا کہنا ہے کہ شناختی کارڈ کے معاملے میں الیکشن کمیشن کے احکامات کو سپریم کورٹ میں بھی چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ گذشتہ دنوں اسی قسم کا ایک پٹیشن پٹنہ ہائی کورٹ کی جانب سے رد کیا جا چکا ہے۔ جہاں تک شناختی کارڈ کا معاملہ ہے تو سیشن اپنے موقف میں حق بجانب

باقی صفحہ 11 پر

## علماء کونسل اور سرکردہ مسلم شخصیات کی کانگریس کو شکست دینے کی اپیل

# کانگریس کے خلاف مسلمانان بمبئی کا اعلان جنگ

**سہیل انجم**

بابری مسجد کی دلدوز شہادت سے لیکر اپنی شہریت کا ثبوت دینے کے کربناک مرحلے تک ہندوستانی مسلمان نہ جانے کتنی آزمائشوں سے گزرے ہیں اور کتنے امتحانات سے دوچار ہوئے ہیں۔ یوں تو پر آشوب شب و روز سے پورے ملک کے مسلمانوں کا واسطہ پڑا ہے لیکن بمبئی کے مسلمانوں نے بارہا آگ کا دریا عبور کیا اور ناکردہ گناہوں کا کفارہ ادا کیا ہے۔ انہوں نے کبھی اپنے خلاف ہونے والی ناانصافی پر احتجاج کرنے کے جرم میں گولیاں کھائی ہیں تو کبھی بمبئی سے انخلاء کر جانے پر انہیں مجبور کیا گیا ہے۔ کبھی بم دھماکوں کا ملزم قرار دے کر انہیں سلاخوں کے پیچھے دھکیلا گیا ہے تو کبھی آئی ایس آئی کا ایجنٹ بتا کر ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے ہیں۔ کبھی ٹاڈا کے نام پر انہیں ظلم و زیادتی کی چکی میں پیسا گیا ہے تو کبھی غیر ملکی قرار دے کر ان کے جمہوری حقوق پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے اور انہیں اپنی شہریت ثابت کرنے کے جاں گسل مراحل سے گذرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ لیکن آج حالات بدل گئے ہیں اور کل تک دفاعی پوزیشن میں کھڑے رہنے پر مجبور بمبئی کے مسلمانوں کے لئے جمہوری طریقہ کار پر چل کر انتقام لینے کا وقت آ گیا ہے۔ شاید اسی لئے آج ان میں زبردست جوش و خروش ہے اور وہ اسمبلی انتخابات کے لئے اپنی حکمت عملی طے کر رہے ہیں۔

> بمبئی کے علماء بھی میدان میں آ گئے ہیں انہوں نے کانگریس کے خلاف بگل بجا دیا ہے۔ گذشتہ دنوں ڈونگری میں ہونے والا علماء کونسل کا اجتماع اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے کانگریس کو شکست دینے کا عزم محکم کر رکھا ہے

اب جبکہ بمبئی کے مسلمان ووٹ کی طاقت سے لیس ہو کر برسر اقتدار جماعت کے خلاف میدان میں نکل پڑے ہیں تو انکے وہ تمام زخم ہرے ہو گئے ہیں جو اس حکومت نے انہیں دیئے ہیں۔ انکے ذہنوں میں نقش ہو جانے والے وہ تمام حادثات و واقعات یاد آ گئے ہیں جو اس حکومت کے مرہون منت ہیں۔ بابری مسجد کی شہادت کے خلاف جب مسلمانان بمبئی نے پر امن جلوس نکالا تھا تو شیوسینا کے غنڈوں کے ساتھ سرکاری پولس نے بھی ان کے سینوں پر گولیاں برسائی تھیں۔ اور فسادات کی ابتدا کر کے انسانیت کا جنازہ نکالا تھا۔ جنوری 93 میں ہونے والے مسلم کش فسادات کے دوران وہ وقت بھی آیا تھا جب عملاً حکومت کی باگ ڈور شیوسینا کے مسلح غنڈوں کے ہاتھ میں آ گئی تھی اور ہزاروں مسلمان اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے تھے اور سینکڑوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ اس خون آشام دور کی یادیں ابھی بھی تازہ ہیں ظلم و بربریت کا ننگا ناچ جب اپنی انتہا پر تھا مسلمانوں کو چن چن کر گولیاں ماری جا رہی تھیں، انکی عورتوں کی عصمتیں تار تار کی جا رہی تھیں اور ان کی املاک و جائداد کو نذر آتش کیا جا رہا تھا تو بمبئی کی سربرآوردہ مسلم شخصیات نے وزیر اعلیٰ شرد پوار سے ایک ذاتی ملاقات میں اس غنڈہ گردی اور انارکی پر قابو پانے کی اپیل کی تھی تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے ٹھیک ہو رہا ہے۔ مسلمان اسی لائق ہیں۔

شرد پوار۔ آبرو داؤ پر

بم دھماکوں کی انکوائری کے نام پر بھی مسلمانوں کو تختہ مشق بنایا گیا اور مسلم نوجوانوں کو جیلوں میں ٹھونسا گیا۔ انہیں آئی ایس آئی کا ایجنٹ قرار دیکر برادران وطن کی نگاہوں میں مشکوک اور ان کی حب الوطنی کو مشتبہ بنایا گیا۔ ٹاڈا کے نام پر ظلم و بربریت کا نیا باب شروع کیا گیا اور شیر خوار بچوں سے لیکر ضعیف العمر مردوں اور عورتوں کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ ابھی یہ سارے زخم بھر بھی نہیں پائے تھے کہ انکے ہاتھوں میں شہریت ثابت کرنے کا نوٹس تھما دیا گیا۔ کن کن مظالم کا ذکر کیا جائے اور کون کون سے زخم کریدے جائیں۔ کیسے کیسے ظلم نہیں ڈھائے گئے مسلمانوں پر؟ اور ان، خوں چکاں داستانوں پر برسر اقتدار جماعت کا نام بھی جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ شیوسینا اور بی جے پی کے ساتھ ساتھ کانگریسی لیڈروں کے دامن بھی داغدار ہیں اور اب اپنے داغدار دامنوں کے ساتھ وہ عوامی عدالت میں ووٹ کی بھیک مانگنے آئے ہوئے ہیں۔ شرم و حیا کو بالائے طاق رکھکر وہ مسلمانوں کے سامنے بھی اپنا دامن پھیلا رہے ہیں لیکن مسلمانا بمبئی نے تو کچھ اور ہی فیصلہ کر رکھا ہے۔ در اصل انہوں نے کانگریس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔

بمبئی کے علماء بھی میدان میں آ گئے ہیں

باقی صفحہ 15 پر

# تیسرے فرنٹ کی تشکیل سے کانگریس، شیوسینا و بی جے پی کی نیندیں حرام

آندھرا پردیش اور کرناٹک کے انتخابی نتائج نے قومی سطح پر کانگریس اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے بالمقابل ایک نئے متبادل کے امکانات کو از سر نو روشن بنا دیا ہے۔ جس کے واضح اثرات انہیں فروری مارچ میں ملک کی پانچ ریاستوں میں ہونے والے اسمبلی انتخابات سے متعلق دیکھے جا سکتے ہیں۔ بہار اڑیسہ، مہاراشٹر، گجرات یا پھر اروناچل پردیش ان میں سے بیشتر ریاستوں میں کانگریس کے بری طرح پٹنے کے امکانات قوی ہیں۔ کیوں کہ کانگریس کی غلط کارکردگی اور پالیسیوں نے اس کے روایتی حامیوں کو نہ صرف کانگریس سے بدظن کر دیا ہے بلکہ کانگریس کی بیخ کنی پر بھی آمادہ کیا ہے۔ نتیجے کے طور پر وہ ریاستیں بھی جسے کانگریس کا گڑھ کہا جاتا تھا اور جہاں کانگریس اس زعم کا شکار تھی کہ عوام اسی کو ووٹ دیں گے وہاں بھی اسکی کشتی کے غرقاب ہونے کے امکانات روز بروز قوی تر ہوتے جا رہے ہیں۔ مہاراشٹر ان ریاستوں میں سے ایک اہم ریاست ہے جہاں اسکے آثار نمایاں طور پر دکھائی دے رہے ہیں۔

کل تک مہاراشٹر میں کانگریس کو اگر کسی سیاسی قوت سے کسی چیلنج کا سامنا تھا تو صرف شیوسینا اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے متحدہ محاذ سے تھا کیوں کہ یہی دو قوتیں ایسی ہیں جو اپنی فرقہ پرستانہ سیاست اور فسطائی کردار کے سبب ریاستی سطح پر مضبوط سیاسی متبادل کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آ رہی تھیں۔ اور عام طور سے یہ تصور کیا جانے لگا تھا کہ فرقہ پرستانہ اور کانگریس مخالف جذبات کے متحدہ استحصال سے آئندہ اسمبلی الیکشن میں اگر کانگریس کا تختہ پلٹنے کی طاقت کوئی محاذ رکھتا ہے تو وہ صرف شیوسینا اور بھارتیہ جنتا پارٹی کا متحدہ محاذ ہی ہے۔ نتیجے میں بھارتیہ جنتا پارٹی اور شیوسینا دونوں اپنے متحدہ محاذ کو مہاراشٹر کے مستقبل کی حکمراں جماعت کی طرح پیش کرنے اور غیر کانگریسی سیکولر قوتوں، اقلیتوں اور دلتوں پر ایک دہشت کا ماحول طاری کرنے کی اپنی منصوبہ بند پالیسیوں پر عمل پیرا تھے کہ دریں اثناء وشوناتھ پرتاپ سنگھ کی بروقت مداخلت اور سیاسی سوجھ بوجھ نے مہاراشٹر کے پورے انتخابی و سیاسی منظر نامے کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ کانگریس اور بھاجپا کے بالمقابل سیکولر پارٹیوں، اقلیتوں، دلتوں اور پسماندہ طبقات پر مبنی ایک نئے اور مضبوط متحدہ محاذ کے ورود نے مہاراشٹر کے سیاسی حلقے میں اس وقت زبردست ہلچل برپا کر دی ہے۔ جس سے نہ صرف کانگریسی حلقے پر سراسیمگی کا ماحول طاری ہے بلکہ شیوسینا اور بھاجپا محاذ کے حوصلے بھی انتخابات کی اصل سرگرمیوں کے آغاز سے قبل ہی پست ہوتے نظر آ رہے ہیں۔

تیسرے محاذ میں شامل 17 جماعتوں میں سے اگرچہ بیشتر مقامی اور علاقائی جماعتیں ہیں لیکن ان تمام جماعتوں کے کردار اور ان کے سیاسی اثرات کو نظر انداز کرنا کانگریس اور بھاجپا شیوسینا محاذ کے لئے کسی بھی طرح ممکن نہیں کیوں کہ اس نئے محاذ میں جنتا دل، بہوجن سماج پارٹی، سماج وادی پارٹی اور کمیونسٹ پارٹیوں کے علاوہ، مزدوروں، کسانوں، دلتوں اور پس ماندہ طبقات کی نمائندگی کرنے والی پارٹیاں شامل ہیں دتا سامنت کی کامگار اگاڑھی پارٹی، پرکاش امبیڈکر کی ریپبلکن پارٹی وغیرہ کئی پارٹیاں بعض حلقوں میں خاصی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان 17 پارٹیوں پر مشتمل محاذ کی تشکیل کا سہرا یقینی طور پر وی پی سنگھ کے سر جاتا ہے کیوں کہ آٹھ جماعتوں پر مشتمل متبادل کے غلبے والے پروگریسو ڈیموکریٹک فرنٹ (پی۔ ایل۔ ایف۔) اور نو جماعتوں پر مشتمل پرکاش امبیڈکر کی رہنمائی میں تشکیل شدہ بہوجن شرک سمیتی محاذ کے درمیان مفاہمت پیدا کرنا یقیناً وقت کی اہم ضرورت تھی گرچہ جنتا دل کی ریاستی قیادت اپنی بہتر پوزیشن کے پیش نظر انتخابی مفاہمت میں زیادہ نشستوں کی دعویدار ہونے پر مصر تھی جس کے سبب تیسرے محاذ کی تشکیل میں رخنہ پیدا ہونے کے امکانات پیدا ہو چلے تھے مگر وشوناتھ پرتاپ سنگھ کی مداخلت کے پیش نظر جنتا دل کو بالآخر مفاہمت پر راضی ہونا پڑا جس سے

تیسرے فرنٹ کی تشکیل کے موقع پر کانشی رام، وی پی سنگھ اور پرکاش امبیڈکر

باقی صفحہ 12 پر

# بنگلہ دیش میں ایک بار پھر مارشل لاء کا خطرہ؟

## حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے ٹکراؤ سے بنگلہ دیش خطرناک موڑ پر

کیا بنگلہ دیش میں مارشل لاء نافذ ہونے والا ہے اور کیا وہاں کا موجودہ سیاسی بحران اتنا سنگین ہو گیا ہے کہ فوجی ایکشن کے بغیر اس پر قابو نہیں پایا جا سکتا؟ یہ سوال سیاسی حلقوں میں بڑی شدت سے گردش کر رہے ہیں۔ یہ سوال اس لئے بھی اٹھ رہے ہیں کہ بنگلہ دیش کی 23 سالا تاریخ میں دو بار مارشل لاء نافذ ہو چکا ہے۔ دو سیاسی لیڈروں کا قتل ہو چکا ہے اور 19 بار بغاوت کی کوششیں ہو چکی ہیں۔ ایک بار پھر سیاسی لیڈروں کے سخت موقف کی بناء پر فوجی ایکشن کا خطرہ منڈلانے لگا ہے۔

بنگلہ دیش میں دس مہینے سے چلا آ رہا سیاسی طوفان اس وقت اپنی انتہا پر پہنچ گیا جب حزب اختلاف کے کل 147 ممبران نے اجتماعی طور پر پارلیمنٹ کے اسپیکر کو اپنے استعفے سونپ دیے۔ حزب اختلاف کا مطالبہ تھا کہ وزیر اعظم خالدہ ضیاء اپنے عہدے سے ہٹ جائیں اور ایک غیر جانبدار اور نگراں حکومت کی تشکیل دی جائے جو 1996 میں ہونے والے انتخابات اپنی نگرانی میں کروائے کیوں کہ بقول انکے موجودہ حکومت میں صاف ستھرے انتخابات نا ممکن ہیں۔ اب جبکہ حزب اختلاف سے پارلیمنٹ خالی ہو گئی ہے تو اپوزیشن کے مطالبے میں شدت آگئی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ خالدہ ضیا فوری طور پر مستعفی ہو جائیں اور الیکشن کا اعلان کریں کیوں کہ ایسی صورت میں جبکہ پارلیمنٹ سے اپوزیشن ممبران مستعفی ہو گئے ہیں تو پارلیمنٹ کا وجود غیر قانونی ہو گیا ہے۔ حزب اختلاف نے اپنے مطالبے میں مزید شدت پیدا کرنے کے لئے ہڑتالوں کا بھی سلسلہ شروع کر دیا ہے جس سے عوامی زندگی درہم برہم ہو کر رہ گئی ہے۔ دوسری طرف وزیر اعظم خالدہ ضیاء اقتدار سے دستبردار ہونے کے موڈ میں نہیں ہیں۔ حزب اختلاف کے مطالبے کا اب تک انہوں نے بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا ہے اور انکے مطالبات کے آگے نہ جھکنے کے عزم کا برابر اظہار کیا ہے۔ لیکن کیا اس طوفان کو مزید جھیلنے کی سکت ان میں باقی ہے اور ایسی صورت میں جبکہ حزب اختلاف نے پارلیمنٹ سے اجتماعی استعفیٰ دے دیا ہو تو پارلیمنٹ کی آئینی اور قانونی حیثیت کیا ہوگی؟ یہ سوالات سیاسی حلقوں میں موضوع گفتگو بنے ہوئے ہیں۔ اول الذکر سوال اس لئے بھی اٹھ کھڑا ہوا ہے کہ بیگم خالدہ ضیاء جنہوں نے ابھی تک بہت سخت موقف اپنایا تھا عام الیکشن سے ایک مہینہ قبل حکومت سے دستبردار ہونے کی پیشکش کر کے گویا اپنے موقف میں نرمی یا کمزوری کا مظاہرہ کر دیا ہے۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اپوزیشن نے ان کی اس پیشکش کو بالکل اسی انداز میں سختی سے ٹھکرا دیا ہے جس انداز میں خالدہ ضیاء اپوزیشن کے مطالبے کو ٹھکراتی رہی ہیں۔

بنگلہ دیش کے اس سیاسی طوفان کے تمام پہلوؤں پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ معاملہ سیاسی بھی ہے اور مذہبی بھی۔ سیاسی اس لحاظ سے کہ شیخ حسینہ واجد کی پارٹی عوامی لیگ کا ایک امیدوار ٹگورا ضلع کے ایک ضمنی الیکشن میں ہار گیا۔ یہ حلقہ عوامی لیگ کا گڑھ سمجھا جاتا تھا اور کافی عرصے سے اس سیٹ پر اس کا قبضہ تھا لیکن اس پر بر سر اقتدار پارٹی بنگلہ نیشنلسٹ پارٹی کا امیدوار کامیاب ہو گیا جس پر عوامی لیگ کا الزام ہے کہ وزیر اعظم نے دھاندلی کروا کے اپنے امیدوار کو کامیاب کروایا تھا۔ بس اسی کے بعد اصل اپوزیشن جماعت یعنی عوامی لیگ نے حکومت کے خلاف جنگ کا بگل بجا دیا۔ دریں اثناء تسلیمہ نسرین نے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے والی کتاب لکھی اور بیانات دیے جس کے خلاف زبردست عوامی تحریک شروع ہو گئی۔ حکومت کے خلاف دو محاذ کھل گئے ایک سیاسی اور دوسرا مذہبی۔ مذہبی تحریک کی قیادت جماعت اسلامی نے کی۔ جو کہ ابھی

پروفیسر غلام اعظم

تک بر سر اقتدار جماعت کے ساتھ تھی۔ عدالت نے تسلیمہ نسرین کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کیا اور وہ ایک مہینے کے لئے روپوش ہو گئیں۔ اسی درمیان حکومت نے تسلیمہ نسرین کو ملک سے باہر نکل جانے کی خفیہ اجازت دیدی

**ایک طرف اپوزیشن نے اجتماعی استعفیٰ دے کر بیگم خالدہ ضیاء کو پریشانی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے تو دوسری طرف خالدہ ضیاء نے اپوزیشن کے آگے نہ جھکنے کے عزم کا اظہار کر کے اس کی طاقت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ دونوں میں کس کی فتح ہوتی ہے۔**

اس اقدام نے عوامی غم و غصے میں اضافہ کر دیا اور عوامی لیگ اور جماعت اسلامی دونوں نے دوش بدوش ہو کر حکومت مخالف مہم تیز کر دی۔ واضح رہے کہ سابق حکمراں جنرل ارشاد جو کہ ایک طویل سزا کاٹ رہے ہیں، کی پارٹی جاتیہ پارٹی بھی حکومت کے خلاف سرگرم رہی ہے۔ اب تین اہم جماعتوں نے مہم شروع کی اور عوامی لیگ نے پارلیمنٹ کے بائکاٹ کا جو سلسلہ مارچ میں شروع کیا تھا اس میں شدت آگئی اور پوری اپوزیشن نے بائیکاٹ کرنا شروع کر دیا۔ اس مہم میں بارہا عوام اور سرکاری پولس میں ٹکراؤ ہوا اور سینکڑوں زخمی اور چند ایک ہلاک بھی ہوئے۔ لیکن بیگم خالدہ ضیا اپنے موقف پر اٹل رہیں اور اپوزیشن اپنے مطالبے پر اٹل رہا۔ نتیجہ اس شکل میں برآمد ہوا کہ پورے حزب اختلاف نے پارلیمنٹ سے استعفیٰ دے دیا۔

جہاں تک عوامی لیگ اور جماعت اسلامی کے اتحاد کی بات ہے تو نظریاتی طور پر دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ عوامی لیگ سیکولر پارٹی ہے جس کی بنیاد بنگلہ دیش کے پہلے حکمراں اور مقتول شیخ مجیب الرحمان نے ڈالی تھی۔ جماعت اسلامی ایک مذہبی جماعت ہے جس کے سربراہ پروفیسر غلام اعظم ہیں۔ غلام اعظم پر یہ الزام لگایا جاتا رہا ہے کہ بنگلہ دیش کی جنگ میں انہوں نے پاکستان کا ساتھ دیا تھا۔ اور بنگلہ دیش کے قیام کے بعد وہ پاکستان میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ لیکن بعد میں وہ بنگلہ دیش آگئے اور ان پر غداری کا مقدمہ چلنے لگا۔ ان کی شہریت ضبط کر لی گئی اور عوامی عدالتیں لگا کر انکے خلاف پھانسی کی سزائیں سنائی گئیں۔ بعد میں ایک عدالت نے ان کی شہریت بحال کر دی۔

شیخ حسینہ واجد پارلیمنٹ کے اسپیکر کو اجتماعی استعفیٰ سونپنے کے بعد

اس وقت ان کا اتحاد بر سر اقتدار جماعت سے تھا۔ لیکن تسلیمہ نسرین کے معاملے پر بیگم خالدہ ضیاء سے اس جماعت کا تعلق ٹوٹ گیا اور کچھ لوگوں کے خیال میں اپنے خلاف کسی ممکنہ ہنگامے سے بچنے کے لئے پروفیسر غلام اعظم نے شیخ حسینہ واجد سے اتحاد کر لیا کیوں کہ سب سے بڑی اپوزیشن جماعت وہی ہے اور اعظم کو سزا دینے کے مطالبے میں یہ جماعت پیش پیش رہی ہے۔ ادھر حسینہ واجد نے بھی اپنی

بیگم خالدہ ضیاء

حکمت عملی کے تحت ان سے مصالحت کر لی۔

تادم تحریر حزب اختلاف اور حزب اقتدار دونوں اپنے اپنے موقف پر اٹل ہیں اور بظاہر ایسا نہیں لگتا کہ بیگم خالدہ ضیاء اپوزیشن کے مطالبے کے جھک جائیں گی۔ انکے سامنے دو راستے ہیں یا تو وہ اقتدار سے دستبردار ہو کر الیکشن کا اعلان کر دیں یا پھر خالی ہوئی نشستوں کے لئے ضمنی الیکشن کروائیں۔ ابھی تک انہوں نے اقتدار سے الگ ہونے کا اشارہ نہیں دیا ہے البتہ ضمنی الیکشن کی بات ضرور کی ہے۔ لیکن سر دست وہ یہ چاہتی ہیں کہ اپوزیشن اپنے استعفے واپس لے لے۔ جسکا کہ امکان نظر نہیں آتا۔ ویسے بنگلہ دیش کے آئین میں موجودہ بحرانی صورت حال میں پارلیمنٹ کو تحلیل کرنے کا کوئی پروویژن نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیگم خالدہ ضیاء اپنے موقف میں مضبوط و مستحکم ہیں اور اگر وہ استعفیٰ نہ دیں تب بھی ان پر کوئی آئینی دباؤ پڑنے والا نہیں ہے۔ لیکن کیا وہ عوامی دباؤ کو برداشت کر لیں گی؟ یہ سوال انتہائی اہم ہے۔

# بحرین میں شیعہ سنی تصادم کے آثار

## شیعہ مسلمانوں کی محرومی بے چینی میں تبدیل ہو رہی ہے

گذشتہ دنوں بحرین کی شیعہ آبادی کی اکثریت بغاوت پر اتر آئی۔ آغاز دار الحکومت منامہ میں نکالے گئے ایک جلوس سے ہوا جس کے ذریعہ وہاں کے شیعہ اپنے رہنما شیخ علی سلمان کی رہائی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ شیخ سلمان کو اس جرم میں گرفتار کیا گیا کہ انہوں نے ملک میں جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ کیا۔ شیخ سلمان ابھی جلد ہی ایران کے مذہبی شہر قم سے بحرین لوٹے تھے جہاں انہوں نے شیعہ دینیات میں مطالعات کی سند حاصل کی۔

گو کہ ایک ہفتے تک جاری فسادات میں کافی جانی و مالی نقصان ہوا۔ مگر جو چیز سب سے زیادہ نمایاں انداز میں ابھر کر سامنے آئی وہ یہ کہ بظاہر خوشحال بحرین کی اکثریت غریب اور محرومی کا شکار ہے۔ اسی کے ساتھ شیعہ سنی اختلافات بھی ابھر کر سامنے آئے۔ وہ یہ کہ بظاہر خوشحال بحرین کی اکثریت غریب اور محرومی کا شکار ہے۔ اسی کے ساتھ شیعہ سنی اختلافات بھی ابھر کر سامنے آئے۔ اگرچہ بحرینی حکومت کا دعویٰ ہے کہ ملک میں شیعہ آبادی کا تناسب صرف 35 فیصد ہے مگر آزاد ذرائع کے مطابق یہ پچاس فیصد سے اوپر ہے۔ دراصل شیعہ اکثریت میں رہے ہیں مگر بحرین پر گذشتہ دو صدی سے غلبہ سنی اقلیت کو حاصل ہے۔

شیعہ اکثریت میں ہونے کے باوجود ملک میں بے اثر اور غریب ہیں۔ فوج اور پولس میں ان کی بھرتی نہیں کی جاتی اور نہ ہی حکومت میں انہیں خاطر خواہ نمائندگی حاصل ہے۔ شیعہ آبادی میں بے روزگاری کا تناسب خطرناک حد تک بڑھا ہوا ہے۔ جسکی وجہ سے حکومت کے خلاف غصہ اور ناراضگی عام ہے۔ خلیج میں ایک عرب سفارت کار کے مطابق وسط دسمبر کے فسادات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بحرین کی شیعہ آبادی میں بے چینی بڑھ رہی ہے اور یہ کہ شیعہ آبادی یہ محسوس کرتی ہے کہ ان کے ساتھ مسلسل زیادتی ہوتی رہی ہے۔

بحرینی حکومت نے اس کے برعکس، ایران پر الزام لگایا کہ وہ ان کے ملک میں بدامنی پھیلا رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض بحرینی شیعہ ایران سے تعلق بنائے ہوئے ہیں اور کتنے ہی بحرین پر ایران کے حق کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ 17 ویں اور 18 ویں صدی میں بحرین ایران کے اقتدار اعلیٰ کے اندر تھا۔ مگر شیعہ آبادی کا صرف پانچ فیصد حصہ ایرانی نسل سے اور باقی ماندہ نسلی اعتبار سے عرب ہیں۔ عرب ہونے کے ناطے ہی بہت سے شیعہ بحرین پر ایران کے دعوے کے مخالف ہیں۔ مگر اس کے باوجود پوری بیسویں صدی میں ایران نے بارہا یہ کہا کہ بحرین اس کا حصہ ہے۔ حالیہ فسادات میں اس طرح ممکن ہے ایران کا بھی کسی نہ کسی حد تک ہاتھ ہو۔ مگر اصل وجہ وہی شیعوں کا احساس محرومی و مظلومیت ہے جسکی وجہ سے منامہ اور دوسرے شہروں میں بارہا بغاوتیں ہو چکی ہیں۔

بحرین برسہا برس تک برطانیہ کے زیر حکومت رہا۔ جب 1971ء میں ملک پر برطانوی تحفظ کے ختم

باقی صـ۱۲ پر

# افغانستان میں امن کا سورج طلوع ہو رہا ہے

افغانستان کے صدر برہان الدین ربانی کے اقتدار کا وقت ختم ہوچکا ہے۔ انھیں اب تک اپنے عھدے سے ہٹ جانا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں لگتا کہ وہ اس کے لئے تیار ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میں ہٹنے کے لئے تو تیار ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ اقتدار کسے منتقل کیا جائے۔ گذشتہ دنوں کی خبروں سے اندازہ لگ رہا تھا کہ یہ سلسلہ عنقریب حل کرلیا

**ادھر ہندوستان افغانستان میں اپنی ڈپلومیسی کے تحت کام کر رہا ہے وہ کابل میں اپنا سفارت خانہ پھر سے قائم کرنے جا رہا ہے۔ وزارت خارجہ میں ایران، پاکستان اور افغانستان کے معاملات کے انچارج بھدر اکمار کا کہنا ہے کہ ہم نے کابل میں اپنا سفارتخانہ پھر سے کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔**

جائے گا لیکن تادم تحریر معاملہ جوں کا توں ہے اور اقتدار کی منتقلی ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کے لئے جو بھی پلان تیار کیا جاتا ہے اسے کوئی نہ کوئی گروپ ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔

افغانستان میں جہاں ایک طرف مجاہدین گروپ برادر کشی میں مبتلا ہیں اور بزور طاقت اقتدار پر قبضہ کرنے میں مصروف ہیں، وہیں دوسری طرف اس پورے دو برس کے عرصے میں قیام امن کی کوششیں بھی جاری رہی ہیں لیکن پاکستان سعودی عرب، او آئی سی اور اقوام متحدہ کی جانب سے کی جانے والی قیام امن کی تمام تر کوششیں اب تک ناکام ہو چکی ہیں۔ کیوں کہ کوئی بھی افغان گروپ اپنی شرائط سے الگ ہٹ کر معاہدے تک پہنچنے کو تیار نہیں ہے۔

اقوام متحدہ کے خصوصی ایلچی محمود مسری نے تمام گروپوں سے ملکر بات چیت کی کوشش کی اور جب بھی وہ کسی نتیجہ خیز موڑ تک پہنچنے کے قریب ہوئے تو کسی نہ کسی اڑچن نے اس کامیابی کو سبوتاژ کر دیا۔ حالانکہ ان کی کوششیں ابھی تک رائیگاں ہی گئی ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنے مشن سے پر امید ہیں ان کا کہنا ہے کہ جلد ہی ہم ایسی خوں ریز جنگ کو ختم کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے جو دو سال سے جاری ہے اور جس میں تیس ہزار افراد کی جانیں جا چکی ہیں۔ نومبر میں ان کی اس تجویز کو بر سر اقتدار گروپ نے تسلیم کر لیا کہ صدر ربانی سے

اقتدار کی منتقلی کے لئے ایک کمیشن قائم کیا جائے۔

لیکن ربانی حکومت نے جہاں اس تجویز سے اتفاق کیا وہیں اس کے عناصر ترکیبی پر وہ متفق نہ ہو سکی۔ اقوام متحدہ کے ذریعے تشکیل پذیر اس کمیشن میں تمام مجاہدین گروپ، اور سابق جلاوطن افراد کی جانب سے مساوی نمائندے رکھے گئے تھے جن کی تعداد 26 تھی۔ لیکن ربانی کے حامیوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اور انہوں نے 88 ممبران پر مشتمل ایک کمیشن کی تجویز رکھی جس میں 18 مجاہدین گروپ کے نمائندے، 60 نمائندے افغان پراو تشکیل کے اور دس نمائندے سابق جلاوطنوں کے تھے۔ اس کمیشن کی تشکیل میں ربانی گروپ کی اکثریت تھی۔ اس قسم کا کمیشن اس لئے تشکیل دیا گیا کہ اس کے خلاف حکمت یار کی جانب سے سخت رد عمل کا مظاہرہ ہو اور ہوا بھی وہی یعنی اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا۔

برہان الدین ربانی

مسری اور ربانی کے کمیشن کے مطابق اسکا مقصد جنگ بندی کرانا، ایک عبوری حکومت کی تشکیل اور غیر جانبدار افغان سیکورٹی کا قیام تھا۔ لیکن حکمت یار کا کہنا تھا کہ کمیشن کے مقاصد کو اور محدود کرکے اسے صرف قومی الیکشن تک رکھا جائے

لیکن مسری اور ربانی نے اسے رد کر دیا۔

ادھر او آئی سی نے بھی افغانستان میں قیام امن کی کوشش کی ہے لیکن دونوں کے مقاصد میں ذرا سا فرق ہے۔ او آئی سی نے پاکستان، ایران اور سعودی عرب کی جانب سے کوشش کی۔ ایران میں ہوئی گفتگو میں جس میں تمام مجاہدین گروپ نے شرکت کی تھی او آئی سی نے تجویز پیش کی تھی کہ دو یا تین مہینے تک غیر مشروط جنگ بندی ہو تا کہ بین الاقوامی ریلیف کے کاموں کو تیز کیا جائے ربانی حکومت کی جگہ ایک غیر جانبدار عبوری حکومت کی تشکیل کی جائے اور گرانڈ نیشنل اسمبلی کے لئے صاف ستھرا الکشن کرایا جائے جس میں صدر کا انتخاب عمل میں آسکے۔ مسری اور او آئی سی کے پلان میں کوئی بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ اقوام متحدہ کے پلان میں کہا گیا تھا کہ ملک کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے لویا جرگا منعقد کیا جائے جبکہ او آئی سی کے پلان میں انتخابات کی بات کہی گئی تھی۔

دوسرا فرق یہ تھا کہ اقوام متحدہ نے جہاں افغان گروپوں میں ڈپلومیسی کے تحت گفتگو کی تجویز رکھی تھی وہیں او آئی سی نے تمام گروپوں کی بالمشافہ گفتگو کی تجویز رکھی تھی۔

جہاں ایک طرف محمود مسری کا پلان ناکام ہو گیا وہیں دوسری طرف او آئی سی کو بھی اپنے پلان میں کامیابی نہیں ملی۔ مسٹر اکبری اور مسٹر حسین باخی قیادت والے شیعہ گروپ نے ازبک لیڈروں کے نمائندوں کے ساتھ ایک میز پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ دوسری طرف حکمت یار نے اس وجہ سے براہ راست گفتگو سے انکار کر دیا کہ ربانی نے وفد میں جان بوجھ کر شیعہ گروپ حزب وحدت کے دو نمائندوں کو شامل کر دیا۔ ان مشکلات سے الگ ہٹ کر یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ او آئی سی کے امن پلان کی تمام مجاہدین گروپ نے توثیق نہیں کی۔ ادھر یونس خالص کے حزب اسلامی اور پروفیسر عبدالرب رسول سیاف کے اتحاد اسلامی نے تہران گفتگو کا بائکاٹ کر دیا۔ ان دونوں گروپوں کا خیال ہے کہ افغانستان میں چلنے والی خانہ جنگی کا صرف ایک حل ہے اور وہ ہے فوجی حل۔ اس صورت حال کے بعد بین الاقوامی ایجنسیوں پر

مایوسی چھا گئی ہے اور اقوام متحدہ اپنا دفتر کابل سے جلال آباد منتقل کر رہا ہے۔

اس وقت پورا افغانستان میدان جنگ بنا ہوا ہے۔ صرف ہرات کا علاقہ ایسا ہے جہاں امن ہے۔ یہاں کے حکمراں اسماعیل خان ہیں وہ 92 میں نجیب حکومت کے خاتمے کے بعد بر سر اقتدار آئے تھے۔ یہاں بھی شروع میں افغان مجاہدین جنگ و جدال میں مصروف تھے جنھیں اسماعیل خان نے بزور طاقت جھکنے پر مجبور کر دیا۔ ہرات کا تجربہ بتاتا ہے کہ پورے ملک میں امن کی واپسی ہو سکتی ہے لیکن اسکی قیمت ادا کرنی پڑے گی جو ابھی تک نہیں ادا کی گئی ہے۔ اسماعیل خان ویسٹرن پروانس کے امیر کہے جاتے ہیں وہ جمہوری یا پر امن انداز میں نہیں بلکہ بزور طاقت بر سر اقتدار آئے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ افغانستان کی اس خانہ جنگی میں دوسری طاقت کا بھی ہاتھ ہے تو شاید بیجا نہ ہوگا۔ ایک طرف بین الاقوامی ایجنسیاں افغانستان میں ریلیف کا کام کرنا چاہتی ہیں تو دوسری طرف مختلف ممالک متحارب رہنماؤں کی مدد کر کے قیام امن کے امکانات کو دھندلا رہے ہیں، واضح رہے کہ پاکستان حکمت یار کی مدد کر رہا ہے اور ایران حزب وحدت کی۔ سعودی عرب چھوٹی چھوٹی مختلف جماعتوں کی اعانت کر رہا ہے تو خیال کیا جاتا ہے کہ دوستم اور نادری کی قیادت والے دھڑوں کو ازبکستان کی حمایت حاصل ہے۔ اسلام آباد حکمت یار کی مدد اس لئے کر رہا ہے کہ اس کا خیال ہے کہ

گے۔ تہران حزب وحدت کی مدد اس لئے کر رہا ہے کہ اس کے خیال میں شیعوں کو جو کہ افغانستان کی آبادی کا آٹھ فیصد ہیں حکومت میں کوئی قابل ذکر رول ادا کرنے کا موقع مل جائے گا۔ شیعہ پارٹیوں

حکمت یار

کے تعاون سے ایران افغانستان کے معاملات میں دخل دینے میں بھی کامیاب ہو جائے گا۔

ادھر ہندوستان افغانستان میں اپنی ڈپلومیسی کے تحت کام کر رہا ہے وہ کابل میں اپنا سفارت خانہ پھر سے قائم کرنے جا رہا ہے۔ وزارت خارجہ میں ایران، پاکستان اور افغانستان کے معاملات کے

**او آئی سی نے تجویز پیش کی تھی کہ دو یا تین مہینے تک غیر مشروط جنگ بندی ہو تا کہ بین الاقوامی ریلیف کے کاموں کو تیز کیا جائے ربانی حکومت کی جگہ ایک غیر جانبدار عبوری حکومت کی تشکیل کی جائے اور گرانڈ نیشنل اسمبلی کے لئے صاف ستھرا الکشن کرایا جائے جس میں صدر کا انتخاب عمل میں آسکے۔**

اگر وہ بر سر اقتدار آگئے تو ڈورنڈ لائین کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیا جائے گا اور پختونستان کی تشکیل کا پرانا مطالبہ بھی ترک کر دیا جائے گا کیوں کہ حکمت یار پختون رہنما ہیں اور جب وہ پاکستان کی مدد سے بر سر اقتدار آجائیں گے تو اخلاقی طور پر وہ پختونستان کی تشکیل میں کوئی رول ادا نہیں کر پائیں۔

انچارج بھدر اکمار کا کہنا ہے کہ ہم نے کابل میں اپنا سفارتخانہ پھر سے کھولنے کا فیصلہ کیا ہے ہندوستانی سفارتکاروں کا خیال ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ پاکستان کے تعلقات تمام گروپوں سے بہتر نہیں ہیں ہمارے لئے اچھا موقع ہے کہ ہم مختلف گروپوں سے خوشگوار تعلقات بنائیں۔

# متحارب گروپوں میں مفاہمت جنگ بندی اور اقتدار کی منتقلی

یہ اخبار جس وقت آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا تب تک ممکن ہے کہ افغانستان میں اقتدار کی منتقلی کا عمل پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہو۔ اقوام متحدہ کے خصوصی ایلچی محمود مسری کے بیانات انتہائی حوصلہ افزا ہیں اور اس وقت وہ اسلام آباد، کابل اور جلال آباد سے برابر رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ گذشتہ دنوں انھوں نے اپنا دفتر جلال آباد سے اسلام آباد منتقل کرلیا تھا۔

محمود مسری تونس کے سابق وزیر خارجہ اور افغانستان میں قیام امن کمیشن کے سربراہ ہیں۔ گذشتہ دو برسوں میں انھوں نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ قابل قدر ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ افغانستان میں قیام امن اور اقتدار کی منتقلی میں ان کا اہم رول ہے، تو بے جا نہ ہوگا۔ محمود مسری نے جان کی

**محمود مسری نے جان کی بازی لگا کر اس وقت بھی کابل کا دورہ کیا تھا جب صدر برہان الدین ربانی اور گلبدین حکمت یار کی فوجوں میں گھماسان کی جنگ چھڑی ہوئی تھی اور کابل کے باشندے اپنے اپنے مکانوں کو خیرباد کہہ کر پناہ گزیں کیمپوں میں منتقل ہو رہے تھے۔ مقصد اس کا صرف اتنا تھا کہ متحارب گروپوں سے رابطہ قائم کریں اور انھیں جنگ بندی پر آمادہ کریں**

بازی لگا کر اس وقت بھی کابل کا دورہ کیا تھا جب صدر برہان الدین ربانی اور گلبدین حکمت یار کی فوجوں میں گھماسان کی جنگ چھڑی ہوئی تھی اور کابل کے باشندے اپنے اپنے مکانوں کو خیرباد کہہ کر پناہ گزیں کیمپوں میں منتقل ہو رہے تھے۔ مقصد اس کا صرف اتنا تھا کہ متحارب گروپوں سے رابطہ قائم کریں اور انھیں جنگ بندی پر آمادہ کریں۔ دو ایک مواقع ایسے بھی آئے جب مسری کو مایوس ہو جانا چاہئے تھا لیکن انھوں نے اس وقت بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اپنے مشن میں لگے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج افغانستان میں تقریبا جنگ بندی ہو گئی ہے اور اقتدار کی منتقلی کا عمل شروع ہو گیا ہے۔

کابل سیکورٹی کمیشن کے سربراہ جنرل یونس قانونی بھی اقتدار کی منتقلی کے معاملے پر پر امید ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صدر ربانی کے استعفی سے افغان پالیسی میں کسی بھی قسم کا کوئی بحران پیدا نہیں ہوگا۔ سیکورٹی کمیشن کابل چھاونی، نیشنل سیکورٹی ڈیپارٹمنٹ (سابق کمیونسٹ سیکورٹی پولس) اور عام پولس پر مشتمل ہے۔ کابل چھاونی اور نیشنل سیکورٹی فورس وزارت دفاع کے تحت آتے ہیں

محمود مسری

جس کے سربراہ ربانی کے حلیف احمد شاہ مسعود ہیں۔ بلکہ پولس محکمہ انٹیریر منسٹری کے تحت آتا ہے۔ جس کے سربراہ حکمت یار کے حلیف منشی عبد الماجد ہیں۔ جنرل قانونی کا کہنا ہے کہ کابل سیکورٹی اسٹیٹ کی نمائندہ ہے نہ کہ کسی سیاسی لیڈر کی۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ حالیہ دنوں میں عوامی تحفظ کے سلسلے میں کافی پیش رفت ہوئی ہے۔ خالی پڑے مکانوں کی لوٹ اور پرائیوٹ چوکیوں نیز ٹینک اور بھاری ہتھیاروں کی نقل و حرکت پر سختی سے پابندی نافذ کر دی گئی ہے۔ کئی سو غیر قانونی ہتھیار بند بھی گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ مجموعی طور پر حالات تیزی سے سدھر رہے ہیں اور پر امن شب و روز کی واپسی ہو رہی ہے۔

# چیچنیا کی لڑائی صلیب و ہلال کی جنگ بن سکتی ہے

## یلتسن بوسنیا سے چیچنیا تک خالص صلیبی جنگ لڑ رہے ہیں

تحریر: شمیم طارق

بورس یلتسن: دماغ جنگی جنون کی آماجگاہ بن گیا

چیچنیا قفقاز سے لگی ہوئی کم و بیش 12 لاکھ نفوس پر مشتمل ایک بہت چھوٹی سی ریاست ہے جو تین برس پہلے تک وسیع تر سوویت یونین کا حصہ تھی لیکن 91 میں اس سے الگ ہو کر اس نے خود مختار ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔

اس وقت کمیونزم کی طنابیں ٹوٹ رہی تھیں لیکن کسی سوویت ریاست کو خود مختار ہونے کی اجازت نہیں دی گئی تھی کیونکہ روس کے ترقیاتی وسائل اور شخصیات ملک کے ہر حصے میں تھے۔ اس کے علاوہ روس کی نظر اپنی سابق ریاستوں میں موجود قدرتی وسائل و ذخائر پر بھی تھی۔

اس کے باوجود جب اس ننھی منی ریاست نے تمام روسی ریاستوں پر مشتمل وفاق یا روسی دولت مشترکہ میں شامل ہونے سے انکار کر کے آزادی و خود مختاری کا پرچم بلند کیا تو بورس یلتسن کی قیادت والے روس نے اس کی مخالفت میں آواز تو اٹھائی لیکن یہ کہنے کے باوجود کے چے چنیا کو روس سے الگ ہونے نہیں دیا جائے گا اس وقت اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی فوجی کارروائی نہیں کی۔ البتہ تین برس گذر جانے کے بعد جب کہ چے چنیا کے عوام جو فطرتاً بڑے بہادر، آزادی پسند اور مہم جو ہیں آزاد فضاء میں سانس لیکر تازہ دم رہنے کے عادی ہو چکے تو بورس یلتسن کو جو اپنی نسلی عصبیت اور بوسنیا۔ ہرزے گووینا کے مسلمانوں کے خلاف جارحیت کے سبب کافی بدنام ہو چکے ہیں، اس کے خلاف فوجی کارروائی کا خیال آیا۔

اگر فوجی کارروائی کا مقصد وہاں کے فوجی ٹھکانوں پر قبضہ کرنا تھا تو ظاہر ہے یہ مقصد بڑی آسانی سے حاصل کیا جا سکتا تھا، کیوں کہ روس اور چے چنیا کا سرے سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ اس کے باوجود اسے قدرت خداوندی کرشمہ ہی کہا جائے گا کہ یہاں روسی فوجیوں کی زبردست یلغار کے اولین مرحلے پر ہی وحشیانہ بمباری اور بدترین قتل و غارت گری کے دوران بھی وہ شخصیات اور فوجی ٹھکانے محفوظ رہے جو فوجی اور سیاسی اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔

دریں اثناء وہ روسی فوجی بھی، جنہیں یہ کہکر یہاں بھیجا گیا تھا کہ چے چنیا لٹیروں کی ایک بستی ہے جہاں قانون اور انسانیت نام کی چیز نہیں رہ گئی ہے۔ فوجی یلغار کے صرف چار روز بعد ہی یہ پوچھنے لگے کہ کریملن نے چے چنیا کے خلاف اسی وقت کوئی کارروائی کیوں نہیں کی جب 91ء میں اس نے اپنی علیحدگی و خود مختاری کا اعلان کیا تھا؟ بلکہ اس وقت تو اس نے اس خود مختار ریاست کو اسلحے بھی مہیا کئے تھے۔ تین برس بعد اب اس فوجی یلغار کا کیا جواز ہے؟

یہی نہیں روسی پارلیمنٹ نے بھی بورس یلتسن کی چے چنیا پالیسی، کو مسترد کرتے ہوئے انہیں نہ صرف بری طرح لتاڑا ہے بلکہ چے چنیا پر فوج کشی کے نتیجے میں دونوں طرف کے مارے گئے لوگوں کی تفصیل بھی دریافت کی ہے۔

فوجیوں کے ذہنوں میں جو شکوک و شبہات پل رہے ہیں یا ان کی ناگزیر ضرورتوں کی عدم تکمیل نے ان میں جو بے اطمینانی پیدا کر دی ہے اس کے امکانی نتائج سے بورس یلتسن اور ان کے حواری غافل نہیں ہیں لہذا انہوں نے چے چنیا کو لاقانونیت کا شکار علاقہ ثابت کرنے یا یہاں کے عوام کو غدار اور باغی کہنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اب وہ سیدھے ان پر Renegade کا الزام لگا کر ان کی نسل کشی میں پوری قوت صرف کر رہے ہیں۔

روس میں حملے کے خلاف مظاہرہ

Renegade کا عام ترجمہ تو ارتداد اور غداری ہے لیکن حقیقت میں یہ لفظ ان مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے جو کبھی عیسائی تھے۔ پھر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اسے صلیب و ہلال کی کشمکش کی توسیع کے پس منظر میں دیکھنا ہی مناسب ہوگا۔ یوں بھی ہلال دشمنی بورس یلتسن کی ریڑھ کی ہڈی میں شامل ہے۔ وہ بوسنیا سے چے چنیا تک خالص صلیبی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اگرچہ دنیا انہیں سابق کمیونسٹ اور ووڈکا (روسی شراب) پی کر کہیں بھی لڑھک جانے والے حکمراں کے بطور جانتی ہے۔ وہ یورپ کی آنکھ کا تارہ بھی اسی لئے بنے ہوئے ہیں کہ کمیونزم کے آہنی پردے میں ان کا اور کیتھولک چرچ کا خفیہ ساتھ رہا ہے۔ جس سے کمیونزم کی ناقابل تسخیر سمجھی جانے والی دیوار میں بھی سوراخ ہو گئے تھے۔

آج چے چنیا کے کیا بوڑھے اور کیا جوان کیا عورتیں اور کیا بچے، سبھی سر پہ کفن باندھے میدان جہاد میں کود پڑے ہیں۔ خود کو پہاڑی لومڑی، اور مد مقابل کو میدانی بھیڑیں کہنے والے ان جانبازوں کا نعرہ ہے کہ "وہ (روسی) چاہے جتنی تعداد میں اور جس قدر مہلک ہتھیاروں کے ساتھ حملہ آور ہوں مگر ہم سیسہ پلائی دیوار کی طرح ڈٹے رہیں گے۔ پیچھے نہیں ہٹیں گے اور شہید ہوں گے یا فاتح۔ ہمیں صرف اللہ کی نصرت اور دو عدد اسٹین گن چاہیے"

روسیوں نے اپنے تازہ ترین حملوں میں شدت اسی لئے برتی ہے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ چے چنیا کے مسلم عوام کی رگ حمیت پھڑک چکی ہے اور ان میں ان کے ایمان و عقیدے نے وہ قوت بھر دی ہے کہ 14 منٹ میں ختم سمجھی جانے والی جنگ 14 دن بعد بھی جاری ہے اور اگر یہی صورت حال رہی تو چے چنیا کی جنگ 14 سال کھنچ کر روس کے لئے ویتنام اور اسرائیل کے فلسطین کی گوریلا جنگ سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔

روس کے ڈپٹی وزیر اعظم Sergei

باقی صـ11ـ پر

## روسی رہنماؤں کے خطرناک تیور

تحریر: عبداللہ ہارون ــــ تلخیص و ترجمہ: پروفیسر مسعود الرحمان ندوی

کچھ عرصہ پہلے جرنیوسکی نے ایک کتاب "جنوب کی طرف آخری چھلانگ" شائع کی ہے جس میں وہ لکھتا ہے:

"میرا خواب ہے کہ روسی فوجیوں کو گرم پانی میں اپنے جوتے دھوتے ہوئے دیکھوں، وہ ہمیشہ کے لئے اپنے بھاری کپڑے اتار کر ہلکے کپڑے پہنیں، وہ کھلے جوتے، ہلکے پاجامے اور آدھی آستین کے کوٹ پہنیں۔ اس کے ساتھ وہ نئی بنی ہوئی اسٹین گنیں اٹھائے ہوئے ہوں تاکہ روسی لشکر ہر جگہ اپنا نظام مسلط کر سکے۔"

کتاب میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر روس نے جنوب کا رخ نہ کیا، تو مسلمان روس کو ختم کرنے کے لئے شمال کی طرف چڑھائی کریں گے کیوں کہ روس پر تمام مصیبتیں شمال کی طرف سے آئی ہیں۔ "روس کی تقدیر اور اس کا تاریخی پیغام یہ ہے کہ "وہ جنوب کی طرف آخری چھلانگ لگائے تاکہ تاریخ کے تمام انسانی مصائب کا خاتمہ کر سکے۔" یہ چھلانگ جنگوں کے مستقل خطرہ کے سرچشمہ کا صفایا کرے گی۔ اور انسانیت کو ہمیشہ کے لئے آرام پہنچائے گی۔"

انہوں نے یہ بات بھی زور دے کر کہی ہے کہ "ترکی و ملکی نسل اور اسلام" کا خاتمہ نہ صرف روس بلکہ تمام دنیا کے لئے بہت خیر کا باعث ہوگا کیوں کہ ترکی نسل ہی نے یورپ کو دھمکایا تھا اور وہ اب بھی اس کے لئے خطرہ ہے۔ نیز "اسلامی اصول پسندی کی بیماری، دینی جنگوں" کے خطرہ کی نمائندگی کرتی ہے۔ ان دونوں رکاوٹوں کے ہٹانے کا فائدہ خود مسلمانوں کو بھی پہنچے گا کیوں کہ روس کے تسلط سے ان لوگوں میں قبائلی اور گروہی جنگوں کا خاتمہ ہو جائے گا جو کبھی بھی ملت نہ بن سکیں۔"

اس کے علاوہ انہوں نے بعد میں کچھ اور بیانات دئے ہیں جن میں روسی ایمپائر کی تمناؤں اور سابق روسی قیصروں کے خوابوں کے ذکر کے ساتھ روس کے مفادات پر سے بھی نقاب اٹھایا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے۔

1۔ سوویت یونین کے بکھرنے کے بعد جو جمہوریتیں آزاد ہو گئی ہیں، وہ روس کے تابع ہیں، اس کی ایمپائر کے حدود میں داخل ہیں۔ فطری طور پر ان میں اسلامی جمہوریتیں بھی شامل ہیں۔

2۔ روس کے نفوذ کے علاقے ترکی، ایران اور افغانستان تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان مصنوعی ممالک کے ٹکڑے ہونا ضروری ہے۔ کیوں کہ وہ غاصب حکومتیں ہیں، جو غیر مستقر بدوؤں سے بنی ہیں، جن کا مقصد حملہ، لوٹ مار، بندی بنانا اور تشدد سے کام لینا ہے۔

3۔ روسیوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ جنوب میں گرم بحر ہند تک پہنچیں، جہاں غذا اور ہلکی صنعتوں کا مضبوط Base موجود ہے۔ شمال سے جنوب کی وحدت کے بعد ہی روس کو "بازاری معیشت" میسر ہوگی۔ جنوب کے بغیر روسی شمال میں مر جائیں گے۔

> میرا خواب ہے کہ روسی فوجیوں کو گرم پانی میں اپنے جوتے دھوتے ہوئے دیکھوں۔ وہ بھاری کپڑے اتار کر ہلکے کپڑے پہنیں اور نئی بنی ہوئی اسٹین گن اٹھائیں، تاکہ ہر جگہ روسی لشکر اپنا تسلط قائم کر سکے۔"

4۔ اگر پاکستان کو ہندوستان سے ملا دیا جائے جس کو برطانوی سامراجیوں نے مصنوعی طور پر علاحدہ کر دیا تھا، تو روس کو استقرار نصیب ہوگا اور پڑوسیوں کا مورچہ محفوظ ہو جائے گا۔

5۔ ترکی کی تقسیم حالات کو معمول پر لانے اور طبقاتی دنیا کے از سر نو اتحاد کا پیش خیمہ ہوگی۔ قسطنطنیہ کی واپسی "ارتھوڈکسی تہذیب" کے احیا کا اکیسویں صدی میں پیش خیمہ ہوگی، جس کی تجدید و استحکام کے لئے روس یونان کے تعاون سے بیڑہ اٹھائیگا۔

ان بیانات کی اہمیت صرف اس لئے نہیں ہے کہ وہ ایک ایسے قومی لیڈر کے قلم سے نکلے ہیں، جس نے روس کے گذشتہ انتخابات میں روسی ووٹ دہندگان کا 25 فیصد ووٹ حاصل کیا تھا، بلکہ ان کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ گذشتہ کچھ سالوں میں مغربی یورپ کے ممالک کے ایک بڑھتے ہوئے رجحان کی نمائندگی کرتا ہے۔ اگرچہ بعض لوگ ان خیالات کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ مگر دوسرے لوگ ان کا علانیہ اظہار کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک جرنیوسکی بھی ہیں، اور بعض لوگوں نے ان خیالات کی تنفید بوسنیا ہرزے گووینا میں اقوام متحدہ اور یورپین کامن مارکیٹ کی سرپرستی سے شروع بھی کر دی ہے۔

(بحوالہ ماہنامہ الرائد، اگست 1994ء)

# گروزنی روسی فوجیوں کا قبرستان بن گیا

## چیچنیا پر حملے کے خلاف روس میں یلتسن مخالف بغاوت بھڑک رہی ہے

11 دسمبر کو روسی فوجیں اپنے عوام اور پارلیامنٹ کی اکثریت کی مخالفت کے باوجود چیچنیا میں داخل ہو گئیں۔ اس دن سے آج تک روسی طیارے چیچنیا کے دار الحکومت گروزنی پر مسلسل

ایک روسی بم کو ناکارہ کرتے ہوئے چیچن رضاکار

بمباری کر رہے ہیں۔ آغاز میں روسی فوجیں قدرے آسانی سے گروزنی کی طرف بڑھتی رہیں۔ انہیں گروزنی تک پہونچنے میں کسی خاص مزاحمت اور دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ مگر جیسے ہی روسی فوجیں گروزنی کے مضافات میں پہونچیں چیچن مجاہدوں کی مزاحمت میں اضافہ ہو گیا۔ روسی فوجیوں کو اس کے بعد ایک ایک انچ زمین کے لئے لڑنا پڑ رہا ہے۔ مجاہدین کی شدید مزاحمت کے پیش نظر روسی طیاروں نے گروزنی پر بلا امتیاز بمباری کی۔ سینکڑوں بے گناہ شہری مارے گئے ہیں اور شہر کی شاید ہی کوئی قابل لحاظ بلڈنگ ہو جو بے رحمانہ اور غیر انسانی بمباری کی زد میں نہ آئی ہو۔ یہ بمباری بالکل اسی انداز میں کی گئی جس طرح امریکہ اور اس کے مغربی حلیفوں نے عراق کے خلاف کی تھی۔ مقصد چیچن مجاہدوں کا حوصلہ پست کرنا تھا۔ مگر روسیوں کو اس میں ناکامی ہوئی ہے۔

40 ہزار سے زائد روسی فوجیں بھاری توپ خانے اور دوسرے جدید ہتھیاروں سے لیس ہیں۔ ان کے مقابلے میں چیچنیا کی معمولی فوج اور رضاکار ہیں جن کے پاس کل سرمایہ ہلکی مشین گنیں، کچھ ہینڈ گرینڈ اور دوسرے ہلکے ہتھیار ہیں۔ بعض رضاکاروں کے پاس تو محض شکاری چاقو ہی ہیں۔

مگر ان مجاہدوں کا حوصلہ اور عزم فولادی ہے۔ کم از کم کچھ عرصے کے لئے انہوں نے گروزنی کو روس کا دوسرا افغانستان بنا دیا ہے۔

کرسمس کے موقع پر روسی فوجوں نے گروزنی شہر پر دھاوا بول دیا۔ ایسا لگتا ہے چیچن فوجی اور رضاکار اسی لمحے کی تلاش میں تھے۔ آج جب یہ تحریر لکھی جا رہی ہے (یعنی 4 جنوری 1995، بوقت دوپہر) اطلاعات کے مطابق روسی حملہ نہ صرف ناکام بنا دیا گیا ہے بلکہ ان کے سیکڑوں فوجی ہلاک، سیکڑوں زخمی اور سو سے زائد قیدی بنا لئے گئے ہیں۔ درجنوں ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں یا تو تباہ کر دی گئی ہیں یا مجاہدین کے قبضہ میں آ گئی ہیں۔ روسی فوج کے ان گنت ٹینک اور ان کا عملہ چیچن مجاہدوں کے گھیرے میں ہے۔

روسیوں نے گذشتہ دنوں کئی بار اعلان کیا کہ پورا شہر ان کے کنٹرول میں آ گیا ہے۔ مگر آزادانہ ذرائع ہمیشہ اس کی تردید کرتے رہے۔ اصل لڑائی در اصل شہر کے مرکز میں صدارتی محل کے پاس ہوئی۔ روسی فوجی اس محل پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ مگر چیچن مجاہدوں نے ان کے حملے کو ناکام بنا دیا۔ صحافیوں اور روسی پارلیامنٹ کے بعض ممبروں کے مطابق صدارتی محل اب بھی مجاہدوں کے قبضہ میں ہے جہاں سیکڑوں روسی فوجی قیدی بنا لئے گئے ہیں۔ محل کے تہ خانے میں زخمی روسیوں اور چیچن مجاہدوں کے علاج کے لئے صرف ایک ڈاکٹر موجود ہے۔ صدارتی محل کے آس پاس سڑکوں پر سینکڑوں روسی فوجیوں کی لاشیں بکھری پڑی ہیں۔ روس کے ایک آزاد ٹیلی ویژن نے سڑک پر مردہ پڑے ہوئے یا زخم سے کراہتے ہوئے روسیوں کی پکچر نشر کی ہے جس سے بورس یلتسن کے خلاف روسیوں کی نفرت میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ واضح رہے کہ روسی عوام کی اکثریت شروع ہی سے اس حملے کی مخالف رہی ہے۔

تازہ اطلاعات کے مطابق گروزنی شہر کا مرکز اور جنوبی حصہ پورے طور پر چیچن فوجیوں اور رضاکاروں کے قبضہ میں ہیں، جبکہ شہر کے شمال حصے میں خصوصاً ریلوے اسٹیشن اور ایک فوجی اہمیت کے حامل پل کے پاس گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے۔ روسیوں کا دعوی ہے کہ شہر کے مرکز سے پسپا کر دی گئی فوجیں دوبارہ منظم ہو رہی ہیں۔ نیز ان کی مدد کے لئے مزید کمک بھیج دی گئی ہے۔ خود چیچن فوجی اور رضاکار بھی اپنی بے سرو سامانی اور دنیا کی بے حسی کے باوجود ایک نئے حوصلہ اور جواں عزم کے ساتھ روس کے تازہ حملے کا انتظار کر رہے ہیں۔ چیچنیا کے صدر جنرل دودائیف کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ شہر کے مضافات میں بنے ایک کنکریٹ بنکر (Bunker) سے اپنے فوجیوں اور اپنے رضاکاروں کی قیادت کر رہے ہیں۔ صدارتی محل کے پاس روسی فوجیوں کو زبردست شکست دینے کے بعد دودائیف نے اپنے بنکر سے ایک ٹیلی ویژن ٹیم کو انٹرویو دیا جو ساری دنیا میں دکھایا گیا۔ اس انٹرویو کے دوران انہوں نے روسی وزیر اعظم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میرے ان الفاظ کو ایک کھلا خط سمجھا جائے۔ روسی فوجیں گروزنی شہر میں گھر گئی ہیں۔ جنگ کا جاری رہنا اب صرف ہمارے لئے ہی نہیں بلکہ روسیوں کے لئے بھی ایک المیہ ہے۔ ہم جنگ بندی کے لئے تیار ہیں مگر شرط یہ ہے کہ روسی پہلے اپنے حملے بند کر دیں۔

مگر ایسا لگتا ہے کہ روس نے صدر دودائیف کی یہ پیشکش رد کر دی ہے۔ کیوں کہ اس کے بعد روسی طیاروں نے گروزنی پر زبردست بمباری کی ہے۔ اسی کے ساتھ ٹینک اور توپ خانے سے بھی شہر پر مسلسل بم گرائے جا رہے ہیں جس سے بے شمار بے گناہ مارے گئے اور تقریباً ہر عمارت کو نقصان پہونچا ہے۔ پورا شہر ایک کھنڈر نظر آنے لگا ہے۔

تعجب خیز طور پر اس بے رحمانہ اور غیر انسانی روسی جارحیت پر دنیا کا رد عمل بہت معمولی ہے۔ پوری دنیا اسے روس کا اندرونی معاملہ کہہ کر خاموش سی ہو گئی ہے۔ امریکی صدر کا کہنا ہے کہ یہ روس کا اندرونی معاملہ ہے۔ مگر بعض ارکان سینٹ نے بے گناہوں کے مارے جانے اور مسلسل بلا امتیاز

گروزنی میں ایک روسی فوجی کی لاش۔ پاس میں چیچن رضاکار اور روسی ٹینک

بمباری پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے روس کی معاشی مدد روکنے کی وکالت کی ہے۔ جرمنی اور برطانیہ وغیرہ نے بھی محض تشویش ظاہر کی ہے۔ ان ممالک کا معمولی اور مجرمانہ رد عمل قابل فہم ہے۔ چیچنیا بالٹک ریاستوں کے برعکس در اصل ایک مسلم اکثریت کا ملک ہے اسی لئے اسے وہ حمایت نہیں مل سکتی جو بالٹک علاقے کے عیسائیوں کو اپنی آزادی کے لئے چند سال قبل حاصل ہوئی تھی۔ یہ بالٹک علاقے کی عیسائی ریاستوں کو مغرب کی حمایت تھی جس کی وجہ سے روس ان پر حملے سے باز رہا تھا۔

مغربی دنیا سے بھی زیادہ تعجب خیز مسلم دنیا کا رد عمل ہے۔ ترکی نے برملا اسے روس کا اندرونی معاملہ قرار دیتے ہوئے یہ تسلیم کیا ہے کہ چیچنیا روس کا حصہ ہے۔ ہاں ترکی کو بس اس پر افسوس ہے کہ مسلسل بمباری سے بے گناہ شہری ہلاک ہو رہے ہیں۔ سعودی عرب اور دوسرے اہم مسلم ممالک کو بھی محض تشویش ہے۔ بد قسمتی سے کوئی بھی مسلم ملک آگے بڑھ کر چیچنیا کی آزادی کو تسلیم کر کے ان کے حق میں سفارتی و اخلاقی سطح پر مہم چلانے کے لئے تیار نظر نہیں آتا۔

مگر حیرت انگیز طور پر روس کے اندر بورس یلتسن کی جارحانہ کارروائی کی کھل کر تنقید ہو رہی ہے۔ لبرل ممبران پارلیمنٹ کا ایک گروپ جلد ہی گروزنی سے لوٹا ہے۔ ان ممبروں کے مطابق بورس یلتسن کو گروزنی شہر کی صورت حال کا صحیح اندازہ نہیں ہے بلکہ انہیں تاریکی میں رکھا جا رہا ہے۔ انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ سینکڑوں روسی فوجی ہلاک ہوئے ہیں۔

روسی پارلیامنٹ کے حقوق انسانی کمیشن کے صدر نے روسی وزیر اعظم کو ایک خط میں لکھا ہے کہ موجودہ صورتحال میں انتہا پسند عناصر مسٹر یلتسن کا تختہ الٹ سکتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ

باقی ص ۱۳ پر

## مسلمان اس جہاد میں شریک ہوں :

### (جماعت اسلامی پاکستان)

ادھر ایک طرف چیچنیا کے پر جوش مجاہدین اس جنگ کو جہاد قرار دیکر سروں پر ہری پٹیاں باندھ کر میدان میں نکل آئے ہیں اور گوریلا جنگ میں مصروف ہو گئے ہیں تو دوسری طرف جماعت اسلامی پاکستان کے رہنماؤں نے بھی اس جنگ کو جہاد کا درجہ دے کر تمام مسلم ممالک سے چیچن عوام کی حمایت کرنے کی اپیل کی ہے۔ محمود شمسی کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس جہاد میں شرکت کریں۔ کئی جماعتی رہنماؤں نے اپنی شناخت کو راز میں رکھتے ہوئے اس کا بھی انکشاف کیا ہے کہ انہوں نے اپنے رضاکار اور مجاہد پہلے ہی چیچنیا میں بھیج دیے ہیں تاکہ روس کو شکست دی جا سکے۔

جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد نے تمام مسلم ممالک کے سربراہوں کو ٹیلی گرام بھیج کر ان سے چیچنیا کی حمایت کرنے اور روس کی مذمت کرنے کی اپیل کی ہے۔ انہوں نے اپنے پیغام میں کہا ہے کہ ہم چیچنیا میں روسی حملے کی مذمت کرتے ہیں اور تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس تحریک مزاحمت میں ضرور شرکت کریں۔ جماعت اسلامی کے دوسرے رہنما غفور احمد کا کہنا ہے کہ چیچنیا روس کے لئے دوسرا افغانستان ثابت ہوگا۔

## مغرب کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ

# عالم عرب کو منقسم اور کمزور رکھنے کی حکمت عملی اب پرانی ہو چکی ہے

### صدام حسین حقیقی خطرہ یا افسانہ طرازی: سنڈے ٹیلی گراف کے جان کیسی کا تجزیہ

کیا واقعی صدام حسین امن عالم کو نگل جانے والے عفریت ہیں۔ چار سال قبل جارج بش نے انہیں ہٹلر سے بھی زیادہ ظالم قرار دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ بیان زیادہ مبالغہ آرائی پر مبنی تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ کویت اور سعودی عرب جیسے جمہوریت پسند ممالک پر صدام حسین کے حملہ کے رد عمل کا نتیجہ تھا۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ صدام حسین ایسے جابر حکمراں ہیں جس نے اپنے ملک میں عراق ترکی اور ایران سے علیحدگی اور اپنی خود مختار ریاست کے قیام کے خواہاں کردوں کو دبا کر رکھا ہے۔ جنوبی عراق کے کردوں کی سرکوبی کے لئے ظالمانہ حربے اختیار کئے ہیں، کویت پر حملہ کیا ہے اور چند ماہ قبل اس کا اعادہ بھی کیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ صدام حسین ظلم و بربریت کا نمونہ نہیں ہیں اور کردوں کو کچلنے اور علیحدگی پسند رجحانات اور تحریکوں کو دبانے میں اکیلے عراق کا ہی نام نہیں آتا۔ یہ بات دنیا شاید فراموش نہ کر سکے کہ خلیجی جنگ کے ہی ایک حلیف شام کے صدر حافظ الاسد نے خود اپنے ہی وطن کے ایک بڑے قصبے کا محاصرہ کر کے وہاں بمباری کی اور ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ترکی نے بھی اپنے ملک کے کرد باشندوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے وہ حقوق انسانی کے احترام کے معیار پر شاید مشکل سے ہی پورا اترے۔

صدام حسین

عراق کے بارے میں ہوش مندانہ اور غیر تعقل پسندانہ گفتگو کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ امریکہ نے عراق۔ کویت تصادم کو گذشتہ تصادم کی طرح خود ساختہ اخلاقی معیار فراہم کر دیا ہے۔

صدر بش کا یہ اعلان کہ خلیجی جنگ جمہوریت کے دفاع میں لڑی گئی تھی آپ کو یہ سبق دینے کے لئے کافی ہے کہ جنگ کے دوران کسی لیڈر کے خلاف بے سر و پا باتیں نہیں کی جا سکتیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ عراق مشرق وسطی میں عام سطح کی استبدادی حکومت ہے جس کی سخت کوشی کو متوسط سے بالائی صف میں رکھا جا سکتا ہے۔ صدام حسین کا ہٹلر سے موازنہ اور یہ اندازے قائم کرنا کہ ان کا مقصد سعودی۔ عرب کو فتح کرنا اور وہاں خلافت کا قیام ہے ان کے سلسلے میں ایک بڑے طبقے کی بے بنیاد قیاس آرائیوں کی دلیل ہے۔

ایران پر بغیر کسی اشتعال انگیزی کے حملہ کرنے پر مغرب نے ہی اکسایا تھا اور اس میں فتح کو آسان سمجھتے ہوئے فوجی امداد بھی دی تھی۔ بعض لوگوں کو تو بہت امید تھی کہ اس طرح وہ ایک حکومت کو اکھاڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

چار سال قبل اگرچہ میں جنگ کی ضرورت وامکان کے بارے میں مشکوک خیالات رکھتا تھا مجھے یقین نہیں تھا کہ عراق کے پاس لمبی چوڑی جنگی مشین ہے۔ ٹیلی ویژن پر رشیا میں گوریلا جنگ کے تجربے کے حامل دوست کے ساتھ پریزیڈینشل گارڈ کی پریڈ دیکھنے کے دوران جب اس نے اسے ناپختہ فوجیوں کا مجموعہ قرار دیتے ہوئے زور دار قہقہ لگایا تو میرے اس خیال کی توثیق ہو گئی۔ تاہم صدام حسین کی طاقت سے متعلق افسانوں کو بے چوں وچرا قبول کر لیا گیا۔ اور اسے بغداد پر اور دیگر شہری مقامات پر شدید بمباری کے لئے جواز کے طور پر استعمال کیا گیا۔ واضح رہے کہ یہ وہی بمباری تھی جس نے پوپ کے منہ سے یہ کہلوایا کہ یہ ناانصافی ہے بلکہ ایک امریکی جنرل نے اس کارروائی کو TurkeyShook سے تعبیر کیا۔

کویت پر از سر نو عراق کے بڑھتے ہوئے دباؤ کا منصوبہ باقاعدہ اختراع کیا گیا ہے تاکہ عراق پر لگائی گئی اقتصادی پابندیوں کا سوال پھر سے اٹھایا جائے ہر چند کہ عراق بیشتر شرائط کی تعمیل پر آمادہ ہے جو کہ اس کے اوپر سے عائد کردہ پابندیاں ہٹانے کے لئے کافی ہو۔ مزید یہ کہ اس نے کویت کو تسلیم کرنے کی اہم ترین شرط کے سامنے بھی سر تسلیم خم کر دیا ہے اس کے باوجود اس کی نیوکلیائی اور کیمیائی صلاحیتیں ہنوز زیر تفتیش ہیں۔

قانونی باریکیوں سے قطع نظر کسی ملک کی حکومت گرانے کے لئے اس پر اقتصادی پابندیوں کے نام پر وہاں کے ہزاروں عوام کو زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم کرنا اور شہری آبادی پر زندگی تنگ کرنا دوران جنگ شہریوں پر بمباری جیسا ہی غیر منصفانہ عمل ہے۔

ان سب باتوں کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم نے کویت کا دفاع کر کے کسی غلطی کا ارتکاب کیا ہے یہ تو ہمارے مفاد میں ہو سکتا ہے کہ عراق کو بہت مضبوط نہ ہونے دیں لیکن "ہو سکتے" اور "ہے" میں یقینا بڑا فرق ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر کویتی تیل کے کنوؤں پر صدام حسین کا قبضہ ہو جاتا تو کیا وہ دنیا کو اور خصوصا مغرب کو یہ تیل کی فراہمی بند کرنے کی دھمکی دیتے اور اپنی اس قیمتی ترین دولت کو بیٹھ کر ہضم کرتے رہتے۔ یہ دلیل خاصی کمزور ہے کہ شاہ ایران نے ساز باز کر کے تیل کی قیمتیں بہت بڑھا دی تھیں۔ اور یہی کام صدام حسین بھی کریں گے۔ بات یہ ہے کہ شاہ نے اوپیک کے تمام لوگوں کو ہم خیال بنا لیا تھا تاہم ایسا کوئی بھی مجوزہ دیرپا ثابت نہیں ہوتا۔

لیکن یہ بھی یاد رہے کہ عرب دنیا کو منقسم اور کمزور رکھنے کی حکمت عملی پرانی ہو چکی ہے اور یہ ایسی سیاست ہے جس کا سرا سلطنت عثمانیہ کے زوال کی تاریخ سے ملتا ہے۔ اس حکمت عملی کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ وہ عربوں کے سامنے مغرب کو ایک ایسے مجموعے کی شکل میں پیش کرتی ہے جو انہیں اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کی راہ میں حائل رہنا چاہتا ہے۔ تاہم دلفریب یادوں میں محو رہنے والے افراد اگر اس سیاست سے وابستہ رہنا چاہتے ہوں تو بات اور ہے۔

> اس حکمت عملی کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ عربوں کے سامنے مغرب کو ایک ایسے مجموعے کی شکل میں پیش کرتی ہے جو انہیں اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کی راہ میں حائل رہنا چاہتا ہے۔

# مسلم انقلابیوں کی بڑھتی مقبولیت سے ترکی کا حکمراں طبقہ دہشت زدہ

## فوج اب سرحدوں کے ساتھ ساتھ نظریات کی بھی محافظ بن گئی ہے

ترکی کے سیکولر عناصر بعض دوسرے مسلم ممالک کی طرح اپنے ہی عوام کی اسلام پسندی کے خلاف صف آرا ہونے کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ سیکولر عناصر دراصل جدید ترکی کے قیام کے وقت ہی سے حکمراں طبقہ سے وابستہ رہے ہیں۔ مگر 1970 کی دہائی سے انہیں اسلام پسندوں کی طرف سے زبردست چیلنج کا سامنا ہے 1980 ۔ میں اسلام پسندوں کو انتخابات میں زبردست کامیابی ملی تھی۔ مگر اس وقت ملک کی فوج نے مداخلت کر کے انہیں اقتدار سے محروم کر دیا تھا۔ فوج خود کو محض ملک کی سرحدوں کی حفاظت تک محدود کرنے کے بجائے اس کی نظریاتی سرحدوں کی بھی محافظ تصور کرتی ہے۔ چنانچہ اسے کسی ایسے نظریے کی حامل پارٹی کا وجود گوارا نہیں ہے جو مصطفی کمال اتاترک کے سیکولر خیالات کی حامی نہ ہو۔ اگرچہ ویلفیئر پارٹی نے اپنے اتاترک مخالف رویے میں کافی نرمی پیدا کر لی ہے مگر اس کے باوجود اس کی حالیہ انتخابی کامیابیوں سے ترکی کا مراعات یافتہ طبقہ جس میں روایتی سیاستداں، سرکاری افسران اور فوج کے اعلی عہدیداران شامل ہیں، خائف ہے کیونکہ انہیں اندیشہ ہے کہ اگر یہ پارٹی اقتدار میں آگئی تو ان سے ان کی ہر دلعزیز مراعات چھین کر عوامی فلاح و بہبود پر بھرپور توجہ دے گی۔

ویلفیئر پارٹی کی مقبولیت سے خائف ہو کر ترکی کا مراعات یافتہ طبقہ اپنے وزیر اعظم تنزو سیلر کی قیادت میں اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتا ہے جو انہوں نے گذشتہ مارچ میں کرد ممبران پارلیامنٹ کے ساتھ کیا تھا۔ وہ دراصل کرد ممبروں کی طرح ویلفیئر پارٹی کے ممبران کے خلاف بھی بد عنوانی کا الزام لگا کر انہیں پارلیامنٹ کی رکنیت سے محروم کرنا چاہتی ہیں۔

> "ایسا لگتا ہے کہ وزیر اعظم نے ہضم کرنے کی صلاحیت سے زیادہ شکم سیر کر لیا ہے۔ ویلفیئر ترکی کی ایسی ویسی پارٹی نہیں ہے بلکہ اسکی مقبولیت ملک میں تمام پارٹیوں سے زیادہ ہے۔"

ترکی کی وزیر اعظم کے ویلفیئر کے خلاف مجوزہ اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے وہاں کے ایک مشہور کالم نویس النور سوک لکھتے ہیں "ایسا لگتا ہے کہ اس بار وزیر اعظم نے اپنی ہضم کرنے کی صلاحیت سے زیادہ شکم سیر کر لیا ہے۔ ویلفیئر ترکی کی کوئی ایسی ویسی پارٹی نہیں ہے بلکہ یہ وہ پارٹی ہے جو سر دست ملک میں سب سے زیادہ مقبول ہے" ایک دوسرے کالم نویس حسن سیمل کا کہنا ہے کہ ویلفیئر پر پابندی لگانا گویا اسلام پسندوں کو "زیر زمین سرگرمیوں" پر مجبور کرنا ہے جس سے ترکی میں اسی قسم کا تشدد پھوٹ سکتا ہے جیسا کہ اس وقت الجزائر میں پایا جاتا ہے۔

گذشتہ مارچ کے مقامی انتخابات میں ویلفیئر پارٹی کو زبردست کامیابیاں ملی تھیں خصوصا انقرہ اور استنبول میں جہاں کی میئر شپ اس کے قبضہ میں آگئی۔ ملک کی 450 رکنی پارلیامنٹ میں بھی ویلفیئر کے 38 ارکان ہیں مگر مارچ کے انتخابات میں ویلفیئر کے ووٹوں کا تناسب 19 فیصد تک پہونچ گیا جس سے وہاں کا مراعات یافتہ سیکولر طبقہ گھبرا سا گیا ہے۔ انہیں اندیشہ ہے کہ اگر یہی صورتحال قائم رہی تو 1996 کے عام انتخابات میں ویلفیئر بر سر اقتدار آسکتی ہے۔

ترکی اس وقت زبردست معاشی پریشانیوں کا شکار ہے جنہیں حل کرنے میں تمام ہی سیکولر پارٹیاں ناکام رہی ہیں۔ دیہاتی اور چھوٹے قصبوں کے لوگ بڑے شہروں کی طرف ہجرت کر گئے ہیں۔ شہروں کی آبادی نتیجتاً بیحد حساب بڑھ گئی ہے۔ ترکی

تنزو سیلر۔ وزیر اعظم ترکی

کی چھ کروڑ آبادی کا نصف سے زیادہ حصہ اس وقت شہروں میں آباد ہے۔ بے ترتیب بڑھتی ہوئی آبادی نے طرح طرح کے سماجی مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ امیر اور غریب کے درمیان فرق بہت زیادہ ہے۔ بڑے شہروں کی اکثریت جھونپڑپٹیوں میں رہتی ہے استنبول کی ایک کروڑ 20 لاکھ کی آبادی کا 60 فیصد جھگیوں میں رہ رہا ہے جن کی انفرادی سالانہ آمدنی پانچ سو ڈالر سے بھی کم ہے۔ چاہے موجودہ حکومت ہو یا اس سے پہلے کی سیکولر حکومتیں وہ سب عوام کے معاشی مسائل حل کرنے سے قاصر رہی ہیں۔ بلکہ وہ اکثر غریب عوام کی طرف سے بے توجہی برتتی رہی ہیں۔

اس کے برعکس ویلفیئر پارٹی جھگیوں میں سماجی، معاشی اور طبی سہولتیں فراہم کرنے میں مصروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غریب عوام اور متوسط طبقہ کے کم آمدنی والے لوگوں میں ویلفیئر بہت زیادہ مقبول ہے۔ چونکہ ویلفیئر نے اس غریب مگر اکثریتی طبقے میں سیاسی شعور اور بیداری پیدا کرنے کی بھی کوشش کی ہے اس لئے ترکی کا مراعات یافتہ سیکولر طبقہ پریشان ہے کہ آئندہ عام انتخابات میں انہیں شکست ہو سکتی ہے۔ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کی مثال کی طرح یہ سیکولر عناصر ویلفیئر کی انتخابی کامیابیوں کا جواب یوں دے رہے ہیں کہ اپنی کاروں پر ایسے پوسٹر لگاتے ہیں جن پر اتاترک کی حمایت میں نعرے لکھے ہوئے ہیں۔

مگر سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ اگر وزیر اعظم تانزو سیلر غریب عوام کی معاشی حالت سدھارنے میں ناکام رہتی ہیں تو 1996 کے عام انتخابات میں اسلامک ویلفیئر پارٹی کی فتح کے امکانات مزید روشن ہو جائیں گے۔

# مسلمانوں کا وجود امریکہ کے لئے باعث رحمت

## نیویارک میں نویں اتحاد اسلامی ریلی سے قائد ملی پارلیامنٹ کا خطاب

گذشتہ نو برسوں سے نیویارک میں امریکی مسلمانوں نے ہر سال وحدت اسلامی کا ایک شاندار جلوس نکالنے کی روایت قائم کی ہے جس میں بالعموم امریکہ کی چھوٹی بڑی تنظیموں، اسلامی مراکز اور مساجد و مدارس حصہ لیتے ہیں۔ امریکی مسلمان اپنے اس جلوس کو مسلم ورلڈ پریڈ کا نام دیتے ہیں اور اخبارات میں اسے یونٹی مارچ یعنی جلوس اتحاد کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ گذشتہ سالوں کی طرح اپنی نوعیت کے نویں اتحاد اسلامی مارچ نے نیویارک کے شہریوں پر اخوت اسلامی کی ایک عجیب و غریب روحانی فضا طاری کر دی۔ مارچ کی ابتدا نیویارک کے عین قلب سے شروع ہوئی اور تقریباً دس ہزار سے زائد فرزندان اور دختران توحید کا یہ جلوس کوئی تین کلو میٹر چل کر ایک بڑے پارک میں مجتمع ہو گیا۔ جہاں کہ ایک بڑا اسٹیج نصب تھا اور جہاں سے امریکی مسلمانوں کے قائدین کو اتحاد اسلامی کے موضوع پر خطاب کرنا تھا۔

امریکی مسلمانوں کے دلوں میں ملی پارلیامنٹ کے لئے جو جذبہ احترام و عقیدت موجود ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس ریلی سے خطاب کرنے کے لئے ملی پارلیامنٹ کے قائد کو خاص طور پر دعوت دی گئی تھی۔ اس ریلی سے جن دوسرے اکابرین نے خطاب کیا ان میں امریکی مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا کے سکریٹری جنرل سید محمد سعید، امیرکن مسلم کالج کے پرنسپل محمد اسد، امریکی مسلم اخبار نیو ٹرینڈ کے ایڈیٹر کوکب صدیقی، ڈاکٹر عبد القدوس اور فاران کلب انٹرنیشنل کے صدر پروفیسر شجاعت علی خاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی دیگر تنظیموں کے نمائندے مساجد کے امام اور سیاہ فام مسلمانوں کے لیڈروں نے تقریریں کیں۔

ریلی سے خطاب کرتے ہوئے قائد ملی پارلیامنٹ نے کہا کہ صرف نصف صدی پہلے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل تھا کہ مستقبل بعید میں بھی ایک ایسا دن آئے گا جب نیو یارک کی شاہراہیں توحید کے پروانوں کے مارچ سے معمور نظر آئیں گی اور جو تہذیب ک راک اور رال، پاپ اور رقص کے حوالے سے جانی جاتی ہے اس کے عین قلب میں اللہ کی کبریائی کا نعرہ گونج سکے گا۔ لیکن آج اسے اللہ تعالی نے عملی طور پر عین ممکن کر دکھایا ہے۔

نصف صدی تو کیا صرف بیس سال پہلے اس ملک کے اندر کسی ایسے خواب کا دیکھنا ممکن نہ تھا لیکن آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ شیطانی تہذیب کے عین قلب میں محمد صلعم کے پیرو کار اللہ کی کبریائی کا پرچم تھامے بڑے فخر سے چل رہے ہیں۔

قائد نے مزید کہا کہ آج مجھے نئی نسل کی آنکھوں میں ایک خاص چمک نظر آئی ہے جو پرانی نسل کے مقابلے میں زیادہ با حوصلہ، زیادہ با عزم اور اپنی اسلامی شناخت پر کہیں زیادہ نازاں ہے۔ ان ننھے دلوں میں خود اس سرزمین پر اسلام کو غالب دیکھنے کا خواب مچل رہا ہے۔ کسے معلوم کہ آنے والے دنوں میں اللہ تعالی ان کا یہ خواب بھی پورا کر دے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر اس تہذیب کو جو مسلسل زوال پذیر ہے جہاں انفرادی اور سماجی زندگی مسلسل زوال کی طرف جا رہی ہے اگر کوئی چیز سہارا دے سکتی ہے تو وہ اسلام کی روحانی قوت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کا اتنی بڑی تعداد میں اس ملک میں بھیج دیا جانا کسی مصلحت سے خالی نہیں۔ یقیناً اللہ کو ان سے کوئی بڑا کام لینا مطلوب ہے۔ آپ نے امریکی مسلمانوں کو ان کی اصل اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے کہا کہ یہ انسانی تاریخ کا عجیب و غریب معجزہ ہے کہ مغرب کی لادینی تہذیب کو عین زوال کے عہد میں سہارا دینے کے لئے اللہ تعالی نے چھ ملین مسلمانوں کو اس ملک میں جمع کر دیا ہے جن کے اعمال جتنے بھی خراب ہوں انکے دلوں میں آخری انبیائی پیغام کے حامل ہونے کا شعور موجود ہے۔ اور ان کے اندر ایک قابل ذکر آبادی اپنا تن من غلبہ اسلام کے لگا دینے پر آمادہ نہیں بلکہ عامل بھی ہے۔

بلکہ قائد نے تو یہاں تک کہا کہ امریکہ میں چھ ملین مسلمانوں کی موجودگی خود اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اللہ تعالی امریکیوں پر مہربان ہے اور اس نے خاص اسکیم کے تحت ان کی روحانی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کے لئے اتنی بڑی تعداد میں حاملین قرآن کو اس ملک میں مختلف بہانوں سے جمع کر دیا ہے۔ لیکن یاد رکھئے کہ اگر آپ نے اس تہذیب کو سہارا دینے کا کام نہ کیا تو خود آپ بھی اس کی بھٹی میں پگھل کر اپنی شناخت کھو دیں گے۔ امریکی حکومت کو بھی سمجھنا چاہئے کہ مسلمان اس ملک میں دہشت گرد نہیں اور نہ ہی اس ملک کے استحکام کے لئے نقصان دہ ہیں بلکہ ان کا وجود سراسر رحمت ہے اور اگر کوئی قوت امریکہ کو موجودہ روحانی بحران سے نکال سکتی ہے تو وہ صرف اسلام کی قوت ہے اس لئے کہ عیسائیت بار بار کی ترمیم و تبدیلی کے بعد اپنی قوت کھو چکی ہے۔

واضح رہے کہ قائد ملی پارلیامنٹ نے ریلی سے خطاب کے علاوہ دیگر امریکی مسلم قائدین کے ساتھ خود اتحاد اسلامی کے اس جلوس میں شرکت کی جس کے آگے آگے تینوں قبلوں کا ڈھانچہ اور ننھے منے اسکولی بچے اور بچیاں، باون اسلامی ممالک کے جھنڈے تھامے چل رہے تھے۔

> امریکی حکومت کو بھی سمجھنا چاہئے کہ مسلمان اس ملک میں دہشت گرد نہیں اور نہ ہی اس ملک کے استحکام کے لئے نقصان دہ ہیں بلکہ ان کا وجود سراسر رحمت ہے اور اگر کوئی قوت امریکہ کو موجودہ روحانی بحران سے نکال سکتی ہے تو وہ صرف اسلام کی قوت ہے اس لئے کہ عیسائیت بار بار کی ترمیم و تبدیلی کے بعد اپنی قوت کھو چکی ہے۔

# الجزائر کی آگ فرانس کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے

## فرانسیسی طیارہ کے اغوا کے بعد الجزائر اور فرانس کے تعلقات میں کشیدگی

اواخر دسمبر میں مسلح اسلامی گروپ سے وابستہ چار مسلح افراد نے الجزائر کے دارالحکومت کے ہوائی اڈے پر کھڑے فرانس ایرویز کے ایک طیارے کو اغواء کر لیا۔ اغواء کرنے والے طیارے کو فرانس لے جانا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لئے الجزائری عہدیداروں سے کافی مقدار میں ایندھن مانگ رہے تھے۔ جب ان کا یہ مطالبہ نہ مانا گیا تو وقفے وقفے سے انھوں نے تین مسافروں کو قتل کر دیا۔ جب دو مسافر قتل ہو گئے تو فرانسیسی حکومت کے دباؤ سے الجزائری حکومت نے طیارے کو ایک قریبی اڈے مارسیلیز جانے کی اجازت دیدی۔ یہاں بھی اغوا کرنے والوں نے مزید ایندھن کا مطالبہ کیا۔ مگر فرانسیسی عہدیداروں نے اس سے انکار کر دیا اور نتیجے میں تیسرے مسافر کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

تیسرے مسافر کی موت کے بعد فرانس کے کمانڈوز نے طیارے پر دھاوا بول دیا۔ چاروں اغواء کنندگان مارے گئے۔ 9 کمانڈوز سمیت درجنوں دوسرے افراد زخمی ہوئے مگر کسی کی موت واقع نہیں ہوئی۔ کمانڈوز آپریشن کے بعد الجزائر میں رومن کیتھولک فرقے کے چار پادریوں، تین فرانسیسی شہریوں اور ایک بلجیم کے شہری کا قتل کر دیا گیا۔ الجیریا کے مسلح اسلامی گروہ نے پورے فرانس کے خلاف جنگ کا اعلان کیا ہے جس کا مقصد غالباً فرانسیسی ٹھکانوں پر حملے کرنا ہے۔ فرانس کی حکومت نے اس اعلان جنگ کا نوٹس لیتے ہوئے الجزائر سے اپنا فضائی رابطہ کچھ دنوں کے لئے منقطع کر لیا ہے۔

الجزائر کا ایک چیک پوسٹ

فرانس کی حکومت اب یہ الزام لگا رہی ہے کہ اغواء کنندگان نے طیارے میں ڈائنامائٹ لگا رکھے تھے اور ان کا مقصد پیرس پر "خودکش حملہ" کرنا تھا۔

دریں اثنا الجزائر کی حکومت نے فرانس پر الزام لگایا ہے کہ اس نے طیارے کو آزاد کرانے کے لئے الجزائری کمانڈوز کو الجیریس کے اڈے ہی پر دھاوا بولنے سے روک دیا تھا۔ غالباً الجزائری حکومت بالواسطہ فرانس پر یہ الزام لگا رہی ہے کہ اغواء کاروں کے ہاتھوں مارے گئے تین مسافروں کی جانیں شاید بچا لی گئی ہوتیں، اگر انھیں اپنے منصوبے کے مطابق کام کرنے دیا گیا ہوتا۔

فرانس پر الجزائر کے اسلام پسند گروہوں کا الزام ہے کہ وہ نہ صرف موجودہ الجزائری حکمرانوں کی مدد کر رہا ہے بلکہ اسی کی ایماء پر تین سال قبل قومی انتخابات ملتوی کر دئے گئے تھے جن میں ان کی فتح تقریباً یقینی تھی۔ اسلام پسندوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر مغرب، خصوصاً فرانس الجزائر کے موجودہ حکمرانوں کی مدد بند کر دے تو یہ حکومت چند دنوں سے زیادہ قائم نہیں رہے گی۔

خود فرانس کے اندر ایسے دانشور موجود ہیں جو اپنی حکومت کی ناعاقبت اندیشانہ پالیسیوں کے مخالف ہیں۔ تین سال قبل انتخابات ملتوی کرنے کے وقت بھی ان دانشوروں نے اس اقدام کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسلام پسندوں کو ان کی جائز فتح سے محروم کرنے کے الجزائری عمل میں مدد دیکر فرانس اپنے لئے مصیبت مول لے رہا ہے۔ مگر اس وقت فرانس میں ان دانشوروں کی نہیں سنی گئی۔ آج فرانس اور مغرب کے حکمران باہر سے کچھ بھی کہیں، اندر سے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ان کے اندر اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ اس کا برملا اعتراف کر کے حالات کو سدھارنے کے لئے کوئی مثبت پیش رفت کریں۔

سر دست فرانس کے تعلقات ان کی حمایت یافتہ الجزائری حکمرانوں سے بھی کشیدہ ہو گئے ہیں۔ مگر اس سے بھی کہیں زیادہ وہ اس امر سے پریشان ہیں کہ اب شاید الجزائری خانہ جنگی کی آگ ان کی اپنی سر زمین تک پہونچ جائے۔ واضح رہے کہ فرانس میں 4 ملین کے قریب مسلمان آباد ہیں جن میں سے تقریباً ایک ملین کے قریب الجزائری نسل کے عرب ہیں۔ ان میں سے کتنے ہی اسلام پسند الجزائری گروہوں کے نہ صرف ہمدرد بلکہ اپنے کاز کے لئے اپنی جان تک نچھاور کرنے کو تیار ہیں۔ پچھلے دنوں اس طرح کے کئی مشتبہ افراد کو فرانس میں گرفتار کر لیا گیا تھا مگر حکومت کو اب بھی اندیشہ ہے کہ ایسے ابھی بہت سے افراد فرانس میں موجود ہیں جو اسلام پسندوں کے حامی ہیں۔ ان عناصر کی طرف سے حکومت سخت خطرہ محسوس کر رہی ہے۔

دراصل فرانس آج اپنی تین سال قبل کی گئی غلطی کا پھل کاٹ رہا ہے۔ وہ سیاستداں ہی کیا جو اس طرح کے واقعات سے سبق لیں۔ فرانس کے سیاستداں اس خونیں واقعے کے بعد اسی کی بنیاد پر اپنی مستقبل کی سیاست کی تیاری میں مصروف ہو گئے ہیں۔ موجودہ وزیر اعظم بلادر نے کامیاب کمانڈو آپریشن کا سہرا اپنے سر باندھ لیا ہے۔ ظاہر ہے آئندہ صدارتی انتخاب میں وہ اسے اپنی کامیابی کے لئے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

### ضروری اطلاع

قارئین کرام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ کاغذ اور طباعت کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ ہو جانے کے سبب ہفت روزہ "ملی ٹائمز انٹرنیشنل" کی قیمت میں ایک روپے کا اضافہ کرنے پر ہم خود کو مجبور پاتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ قارئین ہماری مجبوریوں کے پیش نظر اس معمولی سے اضافے کو برداشت کر لیں گے اور ہمارے ساتھ حسب سابق اپنا تعاون جاری رکھیں گے۔ (منیجر)

## اسحق رابن کا دورۂ اومان اور اسکندریہ میں منی عرب سربراہ

# مغربی ایشیا میں دور رس تبدیلیوں

27 دسمبر کو اسحاق رابن کے اومان کے اچانک دورے سے ایسا لگتا ہے کہ بہت جلد مغربی ایشیا میں بعض دور رس تبدیلیاں واقع ہوں گی۔ اومان پہلا خلیجی عرب ملک ہے جس کا کسی بھی اسرائیلی لیڈر نے پہلی بار دورہ کیا ہے۔ بعض دوسرے چھوٹے ممالک بھی امریکی دباؤ میں آکر اسرائیل سے تعلقات بحال کر سکتے ہیں۔ مگر یہ ایک ایسی صورتحال ہے جو علاقے کے دوسرے خصوصا بڑے ممالک مثلا سعودی عرب، شام اور مصر وغیرہ کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ واضح رہے کہ خلیجی ممالک میں سعودی عرب کا خاصا اثر پایا جاتا ہے۔

یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ سعودی عرب اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی بحالی کے معاملے میں جلد بازی کا قائل نہیں ہے۔ مگر شام

حافظ اسد

کو اندیشہ ہے کہ سعودی مملکت پر امریکی بالواسطہ یا براہ راست دباؤ ڈال سکتے ہیں کہ وہ تل ابیب سے سفارتی تعلقات قائم کر لے۔ خلیج کے چھوٹے ممالک سے اسرائیل کی دوستی ایک طرح سے

شاہ فہد

سعودی عرب پر بالواسطہ امریکی دباؤ مانا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے یہ صورت حال اس علاقے کے اہم ممالک کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ خصوصا شام اس نئی صورت حال سے کافی پریشان ہے۔ مغربی ایشیا کے حالات پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ ادھر کچھ دنوں سے شام دوست عرب ممالک کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتا رہا ہے کہ اسرائیل کو ان کے باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملنا چاہئے۔

چنانچہ دمشق کی مسلسل یہ کوشش رہی ہے کہ عرب اسرائیل سے امن مذاکرات کے لئے ایک متحدہ اور متفقہ موقف اختیار کریں۔ مگر اسکی اس پالیسی اور کوشش کو پہلے پی ایل او اور پھر اردن نے سبوتاژ کیا۔ اور اب ایسا لگتا ہے کہ اومان بھی وہی راستہ اختیار کرنے پر آمادہ ہے۔

اس نئے واقعے کے فورا بعد 29 دسمبر کو مصر کے شہر اسکندریہ میں شام کے صدر حافظ الاسد کی تحریک پر ایک چھوٹی عرب سربراہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں شامی صدر کے علاوہ حسنی مبارک اور شاہ فہد نے شرکت کی۔ کانفرنس کے اختتام کے بعد کوئی اعلامیہ نہیں جاری کیا گیا لیکن مبصرین اور سفارتکاروں کے حوالے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اسکا مقصد عربوں کے باہمی تعلقات پر از سر نو غور کرنا اور اسرائیل کے تئیں ایک متفقہ پالیسی اختیار کرنا تھا۔ کانفرنس میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس امر پر بھی غور کیا گیا کہ عراق سے تعلقات کس طرح بہتر بنائے جائیں۔ کیوں کہ عربوں کی صفوں میں انتشار کی ایک بنیادی وجہ عراق بھی ہے۔

مصر کے وزیر اطلاعات صفوت شریف کے مطابق کانفرس میں عربوں کے باہمی تعلقات، اتحاد اور تعاون کے مختلف طریقوں پر بحث ہوئی۔

ظاہر ہے مصر عرب ممالک میں ایک اہم مقام رکھتا ہے اس لئے اس چھوٹی سربراہ کانفرنس میں اسکی شرکت ضروری تھی۔ پھر اسرائیل سے تعلقات کے معاملے میں آج کل ان تینوں ممالک کے خیالات کافی ملتے جلتے ہیں۔ خصوصی طور پر وہ کسی بھی عرب ملک کی SoloFlight (تنہاروی) کے خلاف ہیں۔

بعض ممالک کی Solo Flight سے شام کا پریشان ہونا فطری امر ہے سمجھا جاتا ہے کہ شام

حسنی مبارک

نے سعودی عرب سے اس کانفرنس میں یہ وعدہ لے لیا ہے کہ وہ نہ صرف اسرائیل سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں کرے گا بلکہ اس ضمن میں ہر قسم کے امریکی دباؤ کو مسترد کر دے گا۔ اسی طرح شام نے سعودی عرب سے یہ وعدہ بھی لیا ہے کہ وہ دوسرے خلیجی ممالک پر بھی دباؤ ڈالے گا کہ اب تک جو کچھ ہو چکا ہے وہ کافی ہے۔ اور یہ کہ آئندہ اسرائیل سے کوئی کسی بھی سطح پر نہ تو مذاکرات اور نہ کسی قسم کا تعلق قائم کرے گا۔

خلیج کے عرب ممالک پر سعودی عرب کا اثر بہت زیادہ ہے جو شام کے لئے باعث اطمینان ہے۔ اسی کے ساتھ شام کے لئے یہ بات بھی کافی اہم ہے کہ دوسرے خلیجی ممالک کی طرح سعودی عرب اسرائیل سے تعلقات کے لئے بے چین نہیں ہے۔ شمالی افریقہ کے بعض ممالک اسرائیل سے تعلق قائم کرنے پر پہلے ہی آمادہ نظر آرہے ہیں مگر شام اور سعودی عرب کسی بھی قسم کی جلد بازی کے خلاف ہیں۔ شام کو یہ امید ہے کہ سعودی عرب کم از کم دوسرے خلیجی ممالک پر اپنے اثرات استعمال کرتے ہوئے اسرائیل کو اس علاقے میں کوئی سفارتی کامیابی حاصل کرنے سے باز رکھے گا۔

سعودی عرب خود بھی ان دنوں بعض دشواریوں سے دوچار ہے۔ چند ہفتے قبل پیش کئے گئے سالانہ بجٹ میں 20 فیصد کٹوتی کے علاوہ حال ہی میں پہلی بار بعض ٹیکس بھی عائد کئے گئے ہیں۔ در اصل 1982 میں سعودی عرب کے پاس 140 بلین ڈالر زائد سرمایہ تھا مگر اس وقت وہ 40 بلین ڈالر سے زیادہ کا مقروض ہے۔ اس معاشی بدحالی کی بظاہر دو وجہیں ہیں۔ تیل کی قیمتوں میں مسلسل کمی اور علاقے کی دو تباہ کن جنگیں یعنی ایران۔ عراق تنازعہ اور جنگ خلیج جن میں سعودی عرب کی اچھی خاصی دولت ضائع ہو گئی۔ معاشی دشواریوں اور بعض دوسرے اسباب کی وجہ سے خود سعودی عرب

اومان کے ...

کے عوام میں بھی بے چینی ہے جسکی ...
وہاں کے حکمرانوں کو اپنی بعض پالیسیوں پر ...
کرنی پڑ رہی ہے۔ سعودی حکمرانوں کو اچھ...
اندازہ ہے کہ اسرائیل سے تعلقات کی بحال...

کانفرنس کے اختتام کے بعد کوئی اعلام...
حوالے سے یہ بات سامنے آئی ہے ک...
کرنا اور اسرائیل کے تئیں ایک متفقہ...
اس امر پر بھی غور کیا گیا کہ عراق سے ت...
صفوں میں انتشار ک...

کے مخالفین ان کے خلاف استعمال کریں گے ...
آثار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جنگ ...
بعد پہلی بار شام، سعودی عرب اور مصر ...
اور دانشور یہ محسوس کر رہے ہیں کہ عربوں کی ...
نااتفاقی سے اسرائیل اور امریکہ دونوں ہی فا...

# کیا مصر کی اکثریت اسرائیل سے نفرت کرتی ہے؟

رائے شماری یا Opinion Poll مصر میں ایک انوکھا تجربہ ہے۔ مگر گذشتہ دنوں ملک کے مشہور ہفت روزہ الاہرام نے ایک سروے کرایا جس سے اہل مصر کے موجودہ ذہن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس رائے شماری میں زیادہ تر شمالی مصر کے خوشحال لوگوں سے سوالات کئے گئے۔ اس طرح اسے نمائندہ رائے شماری کہنا شاید زیادہ مناسب نہ ہو۔ بہر حال اپنی نوعیت کے پہلے اوپینین پول کے نتائج کافی چونکا دینے والے تھے۔

مصر نے 1979ء میں اسرائیل سے ایک امن سمجھوتہ کیا اور سفارتی تعلقات قائم کر لئے لیکن الاہرام کے حالیہ سروے سے پتہ چلتا ہے کہ مصری عوام نہ تو اسرائیل کا سفر کرنے اور نہ ہی ان کا سامان خریدنے کے حق میں ہیں۔ الاہرام نے تقریبا 1505 لوگوں کی رائے معلوم کی۔ یہ رائے زیادہ تر ان لوگوں سے معلوم کی گئی جو قاہرہ کے دو مرکزی ریلوے اسٹیشنوں پر موجود تھے۔

انٹرویو کئے گئے لوگوں سے جب یہ پوچھا گیا کہ وہ اسرائیلی چیزیں خریدنا پسند کریں گے تو 71 فیصد نے "نہیں" اور 26 فیصد نے "ہاں" میں جواب دیا جبکہ تین فیصد لوگوں نے کہا کہ ان کی کوئی رائے نہیں ہے۔ جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ وہ مصر میں اسرائیلی فیکٹریوں کا قیام پسند کریں گے تو 75 فیصد نے "نہیں" اور 20 فیصد نے "ہاں" میں جواب دیا۔ 36 فیصد لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ اسرائیل کا سفر کرنا

مناسب نہیں سمجھتے جبکہ 53 فیصد کا کہنا تھا ک...
بھی پسند نہیں کرتے کہ اسرائیلی ان کے ملک ...
...یں۔ الاہرام کے مطابق مصر کی صرف ایک ...
آبادی اس سروے کے مطابق یہ مانتی ...
1993ء میں ہوئے اوسلو معاہدے کے نتیج...
فلسطینیوں کو ان کا جائز حق مل گیا ہے۔

داخلی محاذ پر سروے سے پتہ چلا کہ ...3
لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ پر تشدد کارروائیو...
ملوث اسلام پسند عوام کی بھلائی کا کام نہیں کر...
ہیں۔ سروے کے اس پہلو پر تبصرہ کرتے ...
ماہرین نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اس ضم...
سروے کا نتیجہ پورے مصر کی شاید نمائندگی ن...
۔ کیوں کہ جن لوگوں کی رائے معلوم کی گئی ا...

اس شمارے کی قیمت چار روپے
سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپے / سو امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
الفا آفسیٹ پریس سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز، 49، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر،
نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا
فون: 6827018

# فلسطین کے انسانی بم اسرائیلیوں کے لئے موت کا پیغام

گذشتہ تین مہینوں میں فلسطینیوں کے تین سرفروشانہ حملوں میں 25 اسرائیلی ہلاک اور درجنوں زخمی ہو چکے ہیں۔ حماس کے ایک ذریعے کے مطابق ایسے ابھی کم از کم 5 انسانی بم ہیں جو کسی بھی وقت اسرائیلیوں کے لئے موت کا پیغام بن جائیں گے۔

غازہ کے فلسطینی نوجوانوں میں شہادت کا جذبہ بے پایاں ہے۔ جب بھی کوئی سرفروش اپنے بدن سے بم باندھ کر اسرائیلی نشانوں پر حملہ کرتا ہے، اسکے بعد سینکڑوں نوجوان اسرائیل مخالف نعرے لگاتے ہوئے خود کو رضاکارانہ طور پر ایسے مزید سرفروشانہ حملوں کے لئے پیش کرتے ہیں۔ کتنے اس بات پر ناراض ہوتے ہیں کہ آخر ان کی باری کب آئیگی؟

دنیادار اور مغرب کے تربیت یافتہ ماہرین نفسیات اور مغربی صحافی اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ سرفروشانہ حملہ کرنے والے دراصل معاشی طور پر پریشان اور مایوس لوگ ہوتے ہیں۔ بعض انھیں مذہبی جنونی بھی کہتے ہیں۔ مگر حماس اور اسلامی جہاد سے وابستہ افراد، جن کے ممبروں نے گذشتہ سرفروشانہ حملے کئے ہیں، اسے صرف جذبہ شہادت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک ایسے ہی شہید کے گھر کی دیوار پر یہ الفاظ تحریر تھے "یہودیوں کے قتل کے ذریعہ خدا تک پہونچا جا سکتا ہے۔" یا "یہودیوں کی کھوپڑی سے ہم راہ جنت کی تعمیر کریں گے۔"

خان یونس کے پناہ گزیں کیمپ کے کمال راضی کہتے ہیں کہ "ہم میں سے ہر کوئی راہ خدا میں شہادت کی تمنا رکھتا ہے۔ اس طرح آپ سیدھے جنت میں جاتے ہیں۔" کمال نے مزید کہا کہ "یہ دنیا ہمارے لئے بہت چھوٹی ہے۔ اسرائیلیوں نے ہماری زمین ہتھیالی ہے۔ وہ ہمارے لوگوں کا قتل کرتے ہیں۔ یہاں بہت زیادہ ناانصافی پائی جاتی ہے۔" کمال راضی دراصل اس جانباز سرفروش، ایمن کے بھائی ہیں جس نے دسمبر 94ء کے آخری عشرے میں اپنے سینے سے بم باندھ کر ایک اسرائیلی بس اسٹاپ پر حملہ کر کے 12 اسرائیلیوں کو زخمی کر دیا تھا۔ جب ایمن کے سرفروشانہ حملے کی خبر خان یونس پہونچی تو بہت سے نوجوان رشک کرنے لگے اور کتنے ہی اس بات پر ناراض تھے کہ ان کے لیڈر ایسے جرآت مندادانہ حملوں کے لئے ان کا انتخاب نہیں کر رہے ہیں۔

ایک امریکی تربیت یافتہ فلسطینی ڈاکٹر ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ خان یونس اور ایسے کتنے ہی کیمپ دراصل "موت کا کیمپ" ہیں جہاں لوگ ہر روز طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا کرتے ہیں اور بظاہر ان کے مسائل کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ اس ماہر نفسیات کے مطابق ایک نوجوان جو اسکے زیر علاج ہے، مستقبل میں کسی بھی وقت سرفروشانہ حملہ کر سکتا ہے۔ دراصل یہ نوجوان اسلامی جہاد کے ہشام حماد کا دوست ہے جس نے ایک یہودی نو آبادی کے باہر سرفروشانہ حملہ کر کے تین اسرائیلی فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ یہ ماہر نفسیات جن کا نام احمد ابو تواہنی ہے۔ اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر اس نوجوان کو کوئی سروس مل جائے تو شاید سرفروشانہ حملے سے باز رہے۔ ورنہ سر دست یہ صرف جنت میں اپنے دوست سے ملنے کی باتیں کرتا ہے۔ لیکن تواہنی اسکا اعتراف کرتے ہیں کہ غازہ کے سماج میں مذہب بہت اہمیت رکھتا ہے اور نوجوانوں میں شہادت کا جذبہ اتنا مضبوط ہے کہ اسے کسی قسم کی دنیا داری سے روکنا مشکل ہے۔ ایمن راضی اسکی بہترین مثال ہے۔ وہ فلسطینی پولس میں 233 ڈالر ماہانہ تنخواہ پر ملازم تھا۔ وہ دس بھائی بہنوں میں چوتھے نمبر پر تھا۔ جس دن اس نے اسرائیل پر سرفروشانہ حملہ کیا اسکے دوسرے دن اسکی ماں زینب کو لوگوں نے مبارکباد دی۔ زینب نے بڑے فخر سے کہا کہ "اگر ہم امیر بھی ہو جائیں گے تو بھی اپنے بچوں کو شہادت پر آمادہ کرتے رہیں گے جب تک کہ ہماری سرزمین کا ایک انچ بھی اسرائیل کے قبضہ میں ہے۔"

شہید ایمن کی ماں زینب: مجھے اس پر فخر ہے

زینب نے بڑے فخر سے کہا کہ "اگر ہم امیر بھی ہو جائیں گے تو بھی اپنے بچوں کو شہادت پر آمادہ کرتے رہیں گے جب تک کہ ہماری سرزمین کا ایک انچ بھی اسرائیل کے قبضہ میں ہے۔"

## بقیہ: چیچنیا کی لڑائی

Shakhrai جو پہلے چیچنیا اور سوویت قومیتوں سے متعلق دیگر مسائل کے انچارج بھی رہ چکے ہیں صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ "روس کو چیچنیا میں ایک طویل ترین گوریلا جنگ کے لئے تیار رہنا چاہئے"

شاید اس احساس کے تحت بھی روسی اپنے حملوں میں شدت برت رہے ہیں تاکہ جلد از جلد چیچنیا کی روح آزادی کو ہمیشہ کے لئے کچل دیا جائے اور آئندہ ان سے کسی قسم کی کوئی مزاحمت کا خطرہ نہ رہے لیکن حالات بتا رہے ہیں کہ قدرت کو کچھ اور ہی منظور ہے۔

چیچنیا اور انگشتیا کے عوام، قیامت کی بمباری اور راکٹ لانچروں و بمبار طیاروں کے حملوں کے باوجود جس طرح آزادی آزادی کا نعرہ لگاتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے ہیں اور انسانی زنجیریں بنا کر روس جانے والی شاہراہ عام پر اپنے بے پناہ عزم و اتحاد کا مظاہرا کر رہے ہیں وہ اچھے اچھوں کا ہوش ٹھکانے لگا دینے کے لئے کافی ہے۔

50 سالہ دوداییف چیچنیا کے وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے 36 برس کی عمر میں روس کی فوج میں جنرل کا عہدہ حاصل کر کے اہم ترین Bomber Wing کی کمان سنبھالی تھی۔ افغانستان میں روسی فوجوں کی قیادت بھی انہوں نے ہی کی تھی لہذا وہ اپنے ملک کی قوم کی جنگی سکت و صلاحیت کے علاوہ افغان مجاہدین کی قوت مزاحمت طریقہ کار اور کسی بھی صورت میں زیر نہ ہونے کی جنگی حکمت عملی کے ساتھ روسی فوجیوں کی کمزوریوں سے بھی واقف ہیں جس کا انہیں بھرپور فائدہ مل رہا ہے۔

چیچنیا، تاریخ کی طویل ترین جنگ لڑنے کے لئے تیار ہے اور یہی جنگ بورس یلتسن کے لئے قبر تیار کرے گی جو اس سے فرار اختیار کر سکتے ہیں نہ انکے تنگے بھوکے بددل اور بے اطمینانی کا شکار فوجیوں میں اتنی سکت ہے کہ چیچنیا کے جہاد حریت کو دبا سکیں۔

لے دے کر انہیں اسی مذہبی نسلی عصبیت کا سہارا ہے جسے وہ Renegade کہہ کر جگا رہے ہیں مگر اس کے رد عمل میں قفقاز اور سوویت ایشیا کی مسلم جمہوریتوں کی رگ حمیت بھی پھڑک سکتی ہے۔ ایسا ہوا تو مغرب بھی محفوظ نہیں رہے گا جو آگ لگا کر تماشہ دیکھنے یا بورس یلتسن جیسوں کی پیٹھ تھپتھپانے کا کام کرتا رہا ہے۔

## بقیہ: لالو اور سیشن ٹکراؤ

ہیں، کیوں کہ پیپلز ریپرزینٹیشن ایکٹ 1950 کے تحت الیکشن کمشنر کو اسکا حق حاصل ہے کہ وہ رائے دہندگان کو کارڈ جاری کرنے کا حکم دے۔ اسے اس کا بھی حق حاصل ہے کہ کارڈ کے اجراء کے بغیر الیکشن نہ کروائے۔ ماہرین قوانین کا یہ بھی خیال ہے کہ چونکہ حالیہ پارلیمانی اجلاس میں پیپلز ریپرزینٹیشن (ترمیمی) ایکٹ کو پاس نہیں کیا گیا ہے، لہذا آئینی بحران کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

اس بحران کو ٹالنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ سیشن شناختی کارڈ کے اجرا کی تاریخ ایک بار پھر بڑھا دیں دوسرے یہ کہ شناختی کارڈ کے سلسلے میں الیکشن کمشنر کے اختیارات کو معطل کرنے کا آرڈیننس صدر جمہوریہ کی جانب سے جاری کیا جائے۔ اسکا امکان بہت کم ہے کہ سیشن شناختی کارڈ کی آخری تاریخ میں توسیع کر دیں گے۔ وہ تو آرڈیننس سے بھی شاید نہ روکے جا سکیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میں آرڈیننس سے نمٹنا اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن میں قبل از وقت اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالوں گا میں اپنا کارڈ وقت آنے پر کھولوں گا۔ اس سوال پر کہ اگر آپ فروری میں بغیر کارڈ کے الیکشن نہیں کروائیں گے تو کیا اس سے آئینی بحران پیدا نہیں ہو گا؟ سیشن کہتے ہیں کہ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ میرا مسئلہ صرف مبنی بر انصاف الیکشن کروانا ہے جو کارڈ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ قوانین پاس کرنے کا اختیار اگر پارلیمنٹ کو ہے تو صاف الیکشن کروانے کی ذمہ داری میری ہے۔

سیشن کے اس سخت موقف سے نیشنل فرنٹ اور لیفٹ فرنٹ میں بوکھلاہٹ طاری ہے اور غالبا اسی خوف کی بنا پر ان کے لیڈروں نے گذشتہ دنوں صدر جمہوریہ سے ملاقات کی تھی اور ان سے آرڈیننس جاری کرنے کی گذارش کی تھی۔ واضح رہے کہ جنتا دل کی دو ریاستوں بہار اور اڑیسہ میں بھی الیکشن ہونے جا رہے ہیں اور دونوں ریاستوں میں ابھی تک کارڈ نہیں بنے ہیں۔ بقیہ ریاستوں میں یہ کام پورا ہو چکا ہے۔ اگر سیشن نے الیکشن نہیں کروایا تو ان ریاستوں میں صدر راج نافذ ہو جائے گا اور جنتا دل کے لیڈر اس سے الیکشن میں نقصان پہنچنے کا خطرہ محسوس کر رہے ہیں، ایسی صورتحال میں سیاسی حلقوں میں یہ شبہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ کہیں بی جے پی کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کے لئے تو سیشن اتنا سخت موقف نہیں اپنا رہے ہیں؟ بہر حال کچھ بھی ہو اگر دونوں اپنے اپنے موقف پر اڑے رہے تو بہار کو آئینی بحران سے نہیں بچایا جا سکتا۔

کانفرنس

کا دور

...طان قابوس اور اسحق رابن

رہے ہیں۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ ممالک خصوصا سعودی عرب عراق سے فورا تعلقات قائم کرنے کے حق میں نہیں ہیں لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی ہے کہ اس باہمی نااتفاقی سے نقصان صرف

...نہیں جاری کیا گیا لیکن مبصرین اور سفارتکاروں کے ...اسکا مقصد عربوں کے باہمی تعلقات پر از سر نو غور ...یسی اختیار کرنا تھا۔ کانفرنس میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ ...قات کس طرح بہتر بنائے جائیں۔ کیوں کہ عربوں کی ...ایک بنیادی وجہ عراق بھی ہے

انہیں کا ہو رہا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ اس چھوٹی سربراہ کانفرنس نے عراق سے بحالی تعلقات کا کوئی طریقہ تلاش بھی کر لیا ہو مگر ایسی کسی بات کا پتہ یا اسکا نتیجہ کچھ دنوں بعد ہی معلوم ہو سکے گا۔

●

سے اکثریت شمالی مصر کی رہنے والی تھی جہاں اسلام پسندوں کا اثر بہت کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصر کی سب سے زیادہ حکومت کے خلاف تشدد کرنے والی جماعت کی ایک فیصد سے بھی کم لوگوں نے حمایت کی۔ دوسری بات یہ کہ انٹرویو کئے گئے اکثر لوگ سماج کے اونچے طبقے سے تعلق رکھتے تھے جہاں اسلامی جماعتوں کا اثر کم ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مارچ 1992 سے مسلح اسلام پسندوں اور فوج کے درمیان مڈبھیڑ وغیرہ میں اب تک پانچ سو پچاس لوگ مارے جا چکے ہیں۔

تبصرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں تعلیم کم اور جہالت زیادہ ہو اس طرح کے سروے بہت زیادہ نمائندہ اور کامیاب نہیں کئے جا سکتے۔ بلکہ اس طرح کے ممالک میں رائے شماری یا Opinion Poll کی بہ نسبت ریفرنڈم زیادہ نمائندہ سروے قرار دیا جا سکتا ہے۔

# حوالہ کاروبار یا ناجائز دولت کی بھرمار

## زبان سے نکلے ہوئے لفظ اور باہمی اعتماد کی بنیاد پر اس دھندے کی عمارت قائم ہے

گذشتہ دنوں وشو ہندو پریشد کے سرپرست اعلی اشوک سنگھل کا بھتیجہ اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ ایک سو بیالیس کروڑ کے حوالہ دھندے میں ملوث ہونے کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ وسط نومبر میں انفورسمنٹ ڈائرکٹوریٹ کے زونل آفس نے دنیش کمار نامی شخص کو گرفتار کیا تھا جو چاندنی چوک سے بعض افراد سے حوالے کا لین دین کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ساڑھے چار سو کروڑ ادھر سے ادھر کئے۔ اس سے قبل بھی دہلی، دبئی اور پشاور سے حوالہ کا دھندہ کرنے والوں کو پکڑا گیا ہے۔ اس طرح کے معاملے ہر ہفتے سامنے آتے رہتے ہیں جو اس کا کھلا ثبوت ہیں کہ من موہن سنگھ کا حوالہ تجارت پر خاتمہ کی مہر لگانے کا دعوی خواب ہی بنا رہے گا۔ حوالہ لین دین میں لگی ہوئی رقم کا اگرچہ صحیح تخمینہ نہیں لگایا جاسکتا لیکن انفورسمنٹ ڈائرکٹوریٹ کے ذمہ داران کا کہنا ہے کہ آج بھی اس بازار میں کئی ہزار کروڑ روپے کا ہیر پھیر ہوتا ہے۔

زبان سے نکلے ہوا لفظ اور باہمی اعتماد پر اس دھندے کی عمارت قائم ہے۔ مختلف ممالک میں بے شمار غیر محسوب رقم کو تیزی سے منتقل کرنے کا حوالے سے بہتر کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔

حوالہ کے ذریعے رقم کی منتقلی آسان اصطلاح میں وہ طریقہ ہے جس میں بینک کی کارروائیوں سے گذرے بغیر زر مبادلہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں بھیجا جاتا ہے۔

کرنسی دونوں طرف اپنی جگہ پر ہی رہتی ہے۔ حوالہ کا کام کرنے والے زر مبادلہ باہری ممالک میں اکٹھا کرتے ہیں اور روپے ہندوستان میں۔ اس بنیادی طریقہ کار میں رہتے ہوئے فریقین کے درمیان ہدایات و اطلاعات کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ جس کے لئے ہر آپریٹر کے اپنے الگ کوڈ مقرر ہوتے ہیں۔ اپنے مستقر سے باہر رقوم بھیجنے کے خواہش مند افراد دونوں سروں پر فنڈ کی فراہمی کا ذریعہ ہیں۔ مثلاً دبئی کا حوالہ ڈیلر مختلف افراد سے دس ہزار ڈالر جمع کرتا ہے۔ دہلی میں موجود اس کا مماثل ایجنٹ تین لاکھ روپیہ تیار رکھتا ہے جو وہ دبئی کی ایک یا مختلف پارٹیوں کو بھیجے گا۔ تبادلہ کی تفصیل دونوں کے درمیان رمز و کنایات میں طے ہو جاتی ہیں۔

حوالہ کیس میں گرفتار اشوک سنگھل کا بھتیجہ عدالت میں جاتے ہوئے

انفورسمنٹ ڈائرکٹوریٹ کے ذمہ داران نے یہ بھی بتایا کہ ہندوستان میں حوالہ کے کام میں فنڈ کی فراہمی میں اکثر سونا بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جو زر مبادلہ دبئی میں کسی پارٹی نے جمع کیا وہ اس کا سونا خرید لیتی ہے جو یا تو اسمگل کر دیا جاتا ہے یا مختلف افراد کے ذریعہ قانونی طور پر ملک میں لایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں سونا بکتا ہے کیوں کہ ہندوستان میں سونے کی قیمت زیادہ ہے۔ تاہم آجکل ہندوستان اور بین الاقوامی بازار میں سونے کے نرخ میں بہت کم فرق رہ جانے کے باعث یہ طریقہ پہلے کے مانند منافع بخش رہ نہیں گیا۔

حوالہ کی رقم اکٹھا کرنے کا ایک مقبول طریقہ درآمدات کی OverInvoicing اور برآمدات کی UnderInvoicing ہے۔ مثلاً سو ڈالر کی لاگت کی درآمد کو 150 ڈالر پر OverInvoice کے درآمد کار 50 ڈالر ناجائز طریقے سے کسی بھی ملک میں منتقل کر سکتا ہے۔ اسی طرح کسی ملک میں پچاس ڈالر کی رقم اس کے لئے جمع ہو سکتی ہے اگر وہ سو ڈالر کی کوئی چیز 50 ڈالر پر UnderInvoice کرے۔

حوالہ کی رقموں کی فراہمی میں جواہرات کی تجارت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ سونے اور اس سے بنے ہوئے زیورات کے بر خلاف جواہرات کی قیمت کا انحصار ذاتی فیصلہ اور بیچنے اور خریدنے والے کی مرضی پر ہوتا ہے۔ اور اس طرح بچ رہنے والی رقم کی اس میں بڑی گنجائش رہتی ہے اور یہی حوالہ کے تبادلے میں کام آتی ہے۔ حوالے کے تبادلے کی شرح کا تعین روپے اور ڈالر کی مانگ میں فرق سے ہوتا ہے۔ اگر باہر سے حوالہ کے ذریعے ڈالر کی مانگ روپے کی مانگ کے مقابلے میں زیادہ ہے تو حوالے کی شرح تبادلہ سرکاری شرح سے بڑھی ہوئی ہوگی۔ صرف انتخابات کا زمانہ ایسا ہوتا ہے جب سرکاری شرح تبادلہ کی نسبت حوالے کی شرح تبادلہ کافی گری ہوتی ہے۔ الیکشن میں پیسہ لگانے کے لئے باہر پھنسی ہوئی رقوم کو ہندوستانی روپے میں تبدیل کرنے کی جلدی ہوتی ہے جس سے روپے کی قیمت بڑھ جاتی ہے تو ڈالر کی قیمت نیچے آجاتی ہے۔

تاہم حالیہ اسمبلی انتخابات کے دوران ڈالر کی قیمت چڑھ گئی کیونکہ روپے کی مانگ ڈالر کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہو گئی۔ اس کے دو اسباب بتائے جاتے ہیں ایک تو یہ کہ کانگریس مخالف رجحان کو اصلاحات کی مخالفت سے تعبیر کیا گیا جس سے سٹپٹا کر لوگوں نے ڈالر کی خریداری شروع کر دی بات یہ تھی کہ ڈالر کی مانگ اس وجہ سے بھی بڑھی کہ لوگ گلوبل ڈپوزیٹری رسیدیں خریدنے اور ہندوستانی اسٹاک مارکیٹ میں بیچ کر منافع کمانے میں بہت زیادہ دلچسپی لینے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرکاری شرح کے مقابلے میں ڈالر کی حوالہ قیمت سات پوائنٹ زیادہ اوپر چلی گئی۔

اپنے مستقر سے باہر رقوم بھیجنے کے خواہش مند افراد دونوں سروں پر فنڈ کی فراہمی کا ذریعہ ہیں۔ مثلاً دبئی کا حوالہ ڈیلر مختلف افراد سے دس ہزار ڈالر جمع کرتا ہے۔ دہلی میں موجود اس کا مماثل ایجنٹ تین لاکھ روپیہ تیار رکھتا ہے جو وہ دبئی کی ایک یا مختلف پارٹیوں کو بھیجے گا۔ تبادلہ کی تفصیل دونوں کے درمیان رمز و کنایات میں طے ہو جاتی ہیں۔

مارچ میں سالانہ حسابات کی کلوزنگ کے باعث زر مبادلہ کے ماہرین کا خیال ہے کہ ڈالر کی قیمت کافی اوپر اٹھے گی اور اس کے ساتھ ہندوستان میں کالے دھن کو سفید ڈالر میں تبدیل کرنے کی بھیڑ بڑھے گی۔ اسے "تحفے" یا اضافی برآمداتی آمدنی کے طور پر دکھایا جائے گا۔ اگر عام ضابطے کے تحت اسے ڈکلیر کیا جائے تو اس ناجائز یا کالی دولت کا 40 فیصد حصہ ٹیکس میں چلا جائے گا۔ حوالہ کا سہارا لے کر لوگ کسی غیر مقیم ہندوستانی کو 12 فیصد کمیشن دیں گے اور حوالے کی شرح پر بھی ایک آدھ فیصد کا نقصان برداشت کر لیں گے۔ باقی پیسہ خالص منافع ہوگا۔ زر مبادلہ کے ایک ماہر نے ان مصلحتوں پر سے پردہ اٹھایا ہے۔

حوالہ بازار کے مبصرین کا کہنا ہے کہ کالی دولت کے علاوہ سیاہ پیسے کو سفید بنانے اور سود اور شرح مبادلہ سے منافع خوری کے رجحان نے بھی اس بازار کو چمکانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اسی لئے غیر ممالک کے سفر کے لئے زر مبادلہ کی حد میں اضافہ، سونے کی درآمد کے ضابطوں میں نرمی، سونے کی قیمت کے درمیانی فرق میں تخفیف، ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی میں کمی جیسے اقدامات سے حوالے کے دھندے کی کشش کچھ کم ہوئی ہے اور مزید اقدامات سے یہ تجارت اپنی کشش بالکل کھو بیٹھے گی۔

پھر بھی انوسٹمنٹ افسران اس پر متفق ہیں کہ اصلاحات سے حوالہ بازار میں زیادہ سے زیادہ صرف تجارتی کالی دولت کو کم کیا جا سکتا ہے لیکن پورے بازار کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے بتایا کہ ہانگ کانگ کی حد درجہ حریت پسند معیشت میں بھی غیر قانونی کرنسی کا لین دین خوب زوروں سے چل رہا ہے اور اس کا سبب یہی ناجائز دولت ہے۔ ہندوستان میں سیاسی پارٹیوں کو پیسے دینے اور جائیدادیں اور املاک خریدنے کے لئے دولت کی ذخیرہ اندوزی ایسے عوامل اس دھندے کو زندہ رکھیں گے۔

# ہندوستان قرضوں کے شیطانی چکر میں

حکومت کے داخلی قرضوں کا 86 فیصد سے زائد حصہ ڈیبٹ سروس اولیکیشن پر خرچ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ ہندوستان قرضوں کے شیطانی چکر میں پھنس چکا ہے۔

کمپٹرولر اینڈ آڈیٹر جنرل کی ایک رپورٹ کے مطابق حکومت اس مقام پر پہنچ چکی ہے جہاں اسے اپنے قرضوں کی قسطیں اور اس کا سود ادا کرنے کی غرض سے بازار سے قرض لینے کی ضرورت پیش آگئی۔ سال 93 - 1992 میں داخلی ذرائع سے 93754 کروڑ کی رقم میں سے 67404 کروڑ پرانے قرضوں کی ادائیگی اور 13542 کروڑ سود کی ادائیگی میں خرچ ہوئے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مستقبل قریب میں حالیہ ریونیو کی آمدنی سے بھی حکومت قرضوں کی ادائیگی سے قاصر رہے گی۔ رپورٹ میں اس تاثر کا اظہار کیا گیا ہے کہ قرضوں کی ادائیگی کے لئے از سر نو داخلی قرضہ لینے ہوں گے جس کے لئے نہ کہ صرف موجودہ ضرورتوں کو سامنے رکھنا ہوگا بلکہ پہلے سے جو قرضے اکٹھا ہو چکے ہیں ان کی اقساط پر جمع شدہ سود کی رقم کی ادائیگی کو بھی مد نظر رکھنا ہوگا۔ حکومت کی مقروضیت کی مفصل کیفیت بیان کرتے ہوئے کمپٹرولر اینڈ آڈیٹر جنرل کی رپورٹ میں اس جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ 31 مارچ 1993 تک پانچ مالی سالوں کے دوران حکومت پر واجب الادا قرضوں کی کیا صورت حال تھی۔ بشمول خارجی قرضوں کے حکومت کی مجموعی مقروضیت 480467 کروڑ روپے تھی۔ ملک کی مجموعی داخلی پیداواریت کے اوسط کے مقابلے میں یہ تناسب 10-68 کا آتا ہے۔

داخلی اور خارجی قرضوں کو شامل کرکے عوامی قرضوں کی مقدار 31 مارچ 1993 تک 241369 کروڑ کے برابر تھی۔ داخلی قرضوں کی مقدار 86313 کروڑ سے بڑھ کر 1986 سے 93 - 1992 تک 100 199 کروڑ ہو چکی ہے۔ لیکن مذکورہ سال کے اختتام تک یونین گورنمنٹ پر داخلی قرضوں، مختصر پس اندازوں، پراویڈنٹ فنڈ وغیرہ کی صورت میں واجب الادا رقم 359654 کروڑ یا گراس ڈومسٹک پروڈکٹ کا 51 فی صد تھی۔ گذشتہ پانچ سال کے عرصے میں داخلی قرضوں میں اضافہ کا سبب ریونیو اخراجات اور تحصیلات کے درمیان وسیع فرق ہے جس کے نتیجے میں ریونیو کے خسارے میں بھی تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ اس عرصے میں ٹیکس ریونیو بھی اٹھارہ فیصد سے گھٹ کر دس فیصد رہ گیا اور پبلک سیکٹر میں بڑے پیمانے پر کی جانے والی سرمایہ کاری سے کم منافع ہونے کی بناء پر غیر محصولی ریونیو بھی جامد ہو گیا۔ سود، امدادات اور دفاع پر 41 فیصد کا مجموعی خرچ اور صوبائی حکومتوں کو کم شرح سود پر طویل مدتی قرضہ جات دیتے رہنے کی وجہ سے یونین گورنمنٹ کے واجبات میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ بشمول دفاع مارچ 1993 تک گذشتہ خارجی قرضہ کی رقم 42269 کروڑ ہو چکی تھی۔ اور حالیہ چار سالوں کے درمیان خارجی قرضہ کی رقم دوگنی ہو چکی ہے۔

### بقیہ: تیسرے فرنٹ کی تشکیل

ریاستی سیاست نے اچانک ایک نیا موڑ لے لیا ہے۔

مہاراشٹر میں کانگریس اور شیوسینا بی جے پی محاذ دونوں کی پریشانی کی اصل وجہ اس نئے تشکیل شدہ تیسرے محاذ کی جانب عوامی رویہ ہے۔ کیوں کہ ریاست کے عوام جو کانگریس کی غلط پالیسیوں سے نالاں اور شیوسینا و بی جے پی کی فسطائی و فرقہ پرستانہ سیاست سے بیزار تھے اور کسی نئے مضبوط متبادل کی تلاش میں تھے انہیں امید کی نئی کرن نظر آ رہی ہے۔ تیسرے محاذ کے ورود سے بالخصوص مسلمانوں اور دلتوں میں ایک نئی امنگ کی لہر دوڑ گئی ہے

سیکولر کردار کی حامل اور دلتوں، اقلیتوں اور مزدوروں اور کسانوں کے مفادات کی حمایت کرنے والی پارٹیوں کا ایک پلیٹ فارم پر آنا یقیناً ایک نیک شگون ہے اور کانگریس اور شیوسینا و بھاجپا کے لئے نفسیاتی شکست کا اعلامیہ بھی ہے۔

### بقیہ: بحرین

ہونے کے دن آئے تو ایران کی درخواست پر حکومت برطانیہ نے طرز حکومت کے سلسلے میں عوام الناس کی رائے جاننے کے لئے ایک ڈیلی گیشن بھیجا جس نے لوگوں سے ملنے ملانے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ لوگ ایک آزاد عرب ریاست کے حق میں ہیں۔

بحرین کے موجودہ حکمراں خاندان الخلیفہ نے 1783ء میں ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ الخلیفہ خاندان نے شیعوں کو مذہبی رسوم ادا کرنے کی ہمیشہ اجازت دی۔ مگر کبھی ان کی معاشی ترقی کے لئے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا۔ شیعہ آبادی کا بڑا حصہ گاؤں میں رہتا ہے اور سالہا سال سے کھیتی کرتا آیا ہے۔ یہ سیب نکالنے والے غریب ملاح اور کھیتی کرنے والے بدحال کسان ہیں۔ 1923ء میں تیل کی دریافت کے بعد شیعوں کی ایک بڑی تعداد نے تیل کی کمپنیوں میں چھوٹی موٹی نوکریاں حاصل کر لیں جس سے ان کی معاشی حالت میں کچھ بہتری آئی۔ وقت گذرنے کے ساتھ یہ شیعہ مزدور اپنی معاشی حالت میں بہتری کے ساتھ سماجی و سیاسی حالات میں سدھار کا بھی حکومت سے مطالبہ کرنے لگے۔ 1938ء، 1954ء، 1956ء، 1965ء میں انہوں نے زبردست اسٹرائک کی جسے ہر بار بے دردی سے دبا دیا گیا۔ اسی طرح 1972ء سے 1975ء کے درمیان کئی بار انہوں نے کام روک دیا مگر حکومت نے ان سب کو ناکام بنا دیا۔

## قونصل خانہ بند ، سفارتی تعلقات کشیدہ

# بے نظیر کی جانب سے تیسری جنگ کی دھمکی

. ہندوستان اور پاکستان کے کشیدہ ہوتے باہمی سفارتی تعلقات اور بے نظیر بھٹو کی تیسری جنگ کی دھمکی کو اگر سنجیدگی سے لیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں لگے گی کہ دونوں ملک خطرناک ٹکراؤ تک پہنچ گئے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں ہی روز اول سے ایک دوسرے کے حریف کی حیثیت سے اپنی شناخت بنائے ہوئے ہیں، اور دونوں ملکوں کے حکمراں اس باہمی کشیدگی کو ہوا دینے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے آئے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ

ہندوستانی قونصل جنرل چکرورتی

دونوں ملکوں کے مابین دو جنگوں اور امن معاہدوں کے باوجود نہ تو دونوں ملکوں کی جنگی نفسیات و ہیجان میں کسی قسم کا افاقہ ہوا اور نہ امن و امان کی فضا میں کوئی پائداری و استقلال پیدا ہو سکا۔ دونوں ملکوں کی اسی جنگی نفسیات اور ایک دوسرے کے خلاف سلوک و شبہات و بدنیتی نے اس پورے جنوبی ایشیائی خطے کو اسلحوں کے گودام میں تبدیل کر رکھا ہے۔ اور یہ امر دونوں ملکوں کے عوام کے لئے کم باعث تشویش نہیں کہ ان دونوں ملکوں میں دفاعی و جنگی ساز و سامان کی خریداری و تیاری پر خرچ ہونے والی کثیر رقم ترقیاتی اور تعمیری پروگراموں اور مدوں میں خرچ ہونے والی رقم کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔

کراچی میں قائم ہندوستانی قونصل خانہ کو پاکستانی حکومت کی جانب سے بند کرنے کے حالیہ فیصلہ کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہئے۔ پاکستانی خارجہ سکریٹری نجم الدین شیخ کی جانب سے ہندوستانی قونصل خانے کو بند کرنے کے فیصلے کی حمایت میں دیا گیا یہ بیان کہ ہندوستانی عملے اور ایجنٹ کراچی سمیت سندھ اور پاکستان کے دوسرے خطوں میں تخریبی و پاکستان دشمن کارروائیوں میں سرگرم ہیں۔ وہ دہشت گردی اور تشدد کے واقعات کو بھڑکانے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی سالمیت و اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی سازشوں اور منصوبوں میں ملوث ہیں جس کے واضح اور تازہ ترین ثبوت کے پیش نظر پاکستانی حکومت کراچی میں ہندوستانی قونصل خانہ کو بند کرنے جیسے اقدام اٹھانے پر مجبور ہے۔

پاکستانی حکومت کے ذریعے ہندوستان پر لگائے گئے یہ الزامات صداقت پر مبنی ہوں یا نہ ہوں ایک بات بالکل صاف ہے کہ دونوں ملکوں کے حکمراں اپنے اندرونی خلفشار، تنازعات اور مسائل کو حل کرنے میں اپنی بدترین ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لیے غیر ملکی سازشوں کا بہانہ تراشنے اور عوام کی توجہ ان مسائل سے ہٹانے کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی برادری کے سامنے ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرانے کی جی توڑ کوششوں میں مصروف ہیں۔

مبصرین کا خیال ہے کہ جس طرح ہندوستانی حکومت ہر مسئلہ کے پیچھے غیر ملکی ہاتھ اور سازشوں کا ہوا کھڑا کر کے اپنے ہی ملک کے ہر پانچویں شہری کو آئی ایس آئی کا ایجنٹ قرار دینے کی پالیسیوں پر گامزن ہے، پاکستان بھی اسی پالیسی کی تقلید کرتا نظر آ رہا ہے۔ دونوں ملکوں کی حکومتیں اپنی بقا کے لئے حیلوں اور بہانوں کی تلاش میں سرگرداں اور باہمی تعلقات کو کشیدہ سے کشیدہ تر بنانے پر آمادہ ہیں۔

دونوں ملکوں کی جانب سے اختیار کردہ موقف سے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ دونوں نے اپنے ماضی سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا ہے

> دونوں ملکوں کی جانب سے اختیار کردہ موقف سے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ دونوں نے اپنے ماضی سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا ہے علاوہ بریں موجودہ صورت حال میں تبدیلی نہیں آئی تو دونوں ملکوں کے مابین ایک اور تباہ کن جنگ کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ اگر گفت و شنید کے ذریعے پر امن طریقے سے آپسی مسائل و تنازعات کے حل کے دروازے مقفل ہو جائیں تو جنگی مظاہروں کے لئے زمین ہموار ہونے لگتی ہے۔

علاوہ بریں موجودہ صورت حال میں تبدیلی نہیں آئی تو دونوں ملکوں کے مابین ایک اور تباہ کن جنگ کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ اگر گفت و شنید کے ذریعے پر امن طریقے سے آپسی مسائل و تنازعات کے حل کے دروازے مقفل ہو جائیں تو جنگی مظاہروں کے لئے زمین ہموار ہونے لگتی ہے۔ جو دونوں ملکوں کے حکمرانوں کے لئے سیاسی اعتبار سے مفید ہو تو ہو لیکن عوام کے لئے زبردست تباہ کن اور خودکشی کے مترادف ہوگا۔

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بڑھتی یہ خلیج دونوں ملکوں کے عوام کے لئے بھی خاصی

ہندو پاک کی سرحد پر ہندوستانی چوکی

پریشان کن ہے۔ پاکستانی حکومت کی جانب سے ہندوستان کے کراچی قونصل خانہ کو بند کرنے کا فیصلہ کراچی اور اس کے آس پاس کے شہروں میں بڑی تعداد میں آباد ان مہاجرین کے لئے دشواریاں پیدا کرے گا جن کے لئے ہندوستانی ویزا کی فراہمی کا کام کراچی کا قونصل خانہ انجام دے رہا تھا۔ ظاہر ہے ان ضرورت مند افراد کو ویزا کے حصول کے لئے ایک لمبا سفر طے کر کے اسلام آباد میں ہندوستانی سفارت خانہ سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے پاکستانی حکومت کے اس فیصلے کے بدترین شکار یہی افراد ہوں گے، یہی سبب ہے کہ خود پاکستان میں بالخصوص مہاجرین کے حلقوں کی جانب سے پاکستانی حکومت کے فیصلے کی سخت نکتہ چینی کی جا رہی ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق پاکستان کے سیاسی حلقے میں اس بات پر خاصا اطمینان کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ پاکستانی حکومت کی جانب سے کراچی میں ہندوستانی قونصل خانے کو بند کرنے کے فیصلہ کے مثبت اثرات مرتب ہوئے ہیں اور 26 دسمبر 1994 کے بعد کراچی میں قتل و خون اور بدامنی کی وارداتوں میں خاطر خواہ تخفیف ہوئی ہے اور حالات میں نمایاں طور پر بہتری آئی ہے۔

اس کا اصل سبب تو بے نظیر حکومت کی جانب سے مہاجر قومی موومنٹ اور اس کے لندن میں پناہ گزیں قائد الطاف حسین سے براہ راست گفت و شنید کے لئے پیش کش ہے۔ بے نظیر حکومت کی اس پیش کش کے سبب ہی کراچی شہر جو گذشتہ کئی ہفتوں سے شورش اور قتل و خون کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ اس میں نمایاں فرق آیا ہے

حقیقت خواہ کچھ بھی ہو ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک کو یہ بات تسلیم کر لینی چاہئے کہ دونوں ملکوں کی جانب سے اگر ایک دوسرے کے خلاف شک و شبہات اور بدنیتی و نفرت اور کشیدگی کے رویے میں تبدیلی نہیں آئی اور دونوں ملکوں کے باہمی سفارتی تعلقات اگر اسی طرح تلخی اور کدورت کے شکار ہوتے گئے تو عنقریب دونوں ممالک کی تباہی میں کوئی کسر باقی نہیں رہے گی۔

## بقیہ : گروزنی روسی فوجیوں کا قبرستان....

"چیچن تصادم کے حل کے لئے گروزنی کی سڑکوں پر خون نہیں بہہ رہا ہے بلکہ خون کنبہ روسی جمہوریت کی رگوں سے نچوڑا جا رہا ہے۔"

ایسا لگتا ہے کہ چیچنیا پر حملہ کر کے روسی صدر نے اپنے لئے مزید زحمتیں مول لے لی ہیں۔ ممکن ہے مزید فوجی کمک بھیج کر اور گروزنی کو زیر کر کے اس شہر یا اسکے کھنڈر پر قبضہ کر لیں مگر یہ بات تقریبا طے ہے کہ چیچن مجاہدوں کو سرنگوں کرنا ان کے بس سے باہر ہے۔ اگر کوئی سیاسی حل تلاش نہیں کیا جاتا تو اس بات کا پورا امکان ہے کہ چیچن مجاہدین گوریلا جنگ کے ذریعے نہ صرف روسی فوجیوں کے لئے درد سر بنے رہیں گے بلکہ روس کی پہلے ہی سے خراب معیشت کو مزید خراب کر دیں گے۔ روس کی فوج چیچنیا کی فوج سے بلاشبہ کہیں طاقتور ہے۔ مگر اس کی معاشی حالت اور بورس یلتسن کی سیاسی پوزیشن بہت کمزور ہے۔ روس کی ماہانہ شرح افراط زر 14 فیصد ہے۔ ورلڈ بینک اور IMF قرضہ دینے سے کترا رہے ہیں۔ اسی طرح بہت سارے سیاستداں یلتسن کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں کیوں کہ اپنی کیبنیٹ اور پارلیمنٹ پر اعتماد کرنے کے بجائے وہ صرف وزارت دفاع و داخلہ پر اعتماد کرتے ہیں جو سابق فوجی جنرل ہیں۔ بعض سینیر وزیروں نے برملا کہا کہ چیچنیا پر حملہ سے متعلق ان سے مشورہ نہیں لیا گیا۔

در اصل سابق فوجی جنرلوں اور بعض بیورو کریٹوں پر اعتماد کرنے کی وجہ سے روسی صدر نے پے در پے غلط معاشی و سیاسی اقدامات کئے ہیں۔ صرف شرح افراط زر میں اضافہ نہیں ہوا ہے بلکہ گذشتہ سال روس کی صنعتی پیداوار میں بھی 15 فیصد کی کمی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ 1991ء کے مقابلے میں روس کی موجودہ صنعتی پیداوار 45 فیصد سے بھی کم ہے۔ چنانچہ کسی کو اس امر پر شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ مختلف OpinionPoll یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ بورس یلتسن کو اس وقت عوام

> جس طرح افغانستان میں روس کی شکست کے بعد سوویت یونین کا زوال ہوا تھا۔ بالکل اسی طرح لگتا ہے کہ چیچنیا پر روس کے ناعاقبت اندیشانہ حملے اور اس کی ناکامی کے بعد روسی فیڈریشن کا مستقبل تاریک ہو گیا ہے۔

کی اکثریت یعنی 75 فیصد لوگ بحیثیت صدر پسند نہیں کرتے۔ جون 1996ء میں روس میں انتخابات ہونے ہیں۔ صدر یلتسن کو اس سال کے اختتام تک یہ طے کرنا ہے کہ وہ آئندہ انتخابات میں صدارتی امیدوار ہوں۔ یا کسی اور کو امیدوار بنائیں یا سرے سے انتخاب ہی ملتوی کر دیں۔ ایک تبصرہ نگار کے مطابق تینوں ہی راستے یلتسن کے لئے مخدوش ہیں۔ یہ تک کہا جا رہا ہے 1996ء تک یا تو روسی صدر یا روسی جمہوریت یا دونوں ہی روس کے سیاسی منظر نامے سے غائب ہو جائیں گے۔

جس طرح افغانستان میں روس کی شکست کے بعد سوویت یونین کا زوال ہوا تھا۔ بالکل اسی طرح لگتا ہے کہ چیچنیا پر روس کے ناعاقبت اندیشانہ حملے اور اس کی ناکامی کے بعد روسی فیڈریشن کا مستقبل تاریک ہو گیا ہے۔

# اصلی جماعت اسلامی تو ہماری ہی ہے

## مولانا مودودی کے دیرینہ رفیق اور نئی جماعت اسلامی کے بانی علامہ نعیم صدیقی سے بات چیت

جماعت اسلامی ہند کے برخلاف پاکستان کی جماعت اسلامی ایک متحرک اور توانا تنظیم خیال کی جاتی ہے۔ ایسا اس لئے بھی کہ اسے خود مولانا مودودی کی قیادت میں کام کرنے کا موقع ملا اور ان کی نگرانی میں ہی یہ ایک محسوس مذہبی اور سیاسی قوت کی حیثیت سے سامنے آئی۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ مولانا مرحوم آخری دنوں میں اپنی جماعت کی کارکردگی اور مطلوبہ انقلاب کے حصول میں ناکامی کے باعث اپنے کارکنوں سے کچھ زیادہ خوش نہ تھے بلکہ کئی موقعوں پر تو ایسا محسوس ہوا گویا وہ ایک نیا اسٹارٹ لینا چاہتے ہوں لیکن جمہوری پرامن اور دستوری جدوجہد کے لئے تربیت یافتہ کارکنوں سے کوئی انقلابی کام لینا ممکن نظر نہ آیا۔ بلکہ ایک موقع پر تو انہوں نے وائے افسوس یہاں تک کہا کہ اگر مجھے صرف سات لوگ کام کے مل جاتے تو میں انقلاب برپا کر دیتا۔

قاضی حسین احمد کی قیادت میں اسلامی جمہوری اتحاد کی تشکیل اور پھر اسلامی فرنٹ تک کے سفر تک بعض پرانے کارکنوں کو یہ شدت سے محسوس ہوا کہ جماعت کا اخلاقی سرمایہ داؤ پر لگ گیا ہے اور قدیم آئیڈیل ٹوٹ پھوٹ رہے ہیں۔ اس صورت حال سے تنگ آ کر اب مولانا مودودی کے سب سے پرانے رفیق نعیم صدیقی نے پیغام مودودی کو عام کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ذیل میں ہم ان کی ایک مختصر گفتگو نقل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

سوال... جماعت میں اختلافات کب شروع ہوئے؟

جواب... جماعت کو قائم رکھنے کے لئے سب سے ضروری چیز ایک دوسرے پر اعتماد ہوتا ہے۔ امیر سے لے کر ایک ادنیٰ ورکر تک اعتماد کا رشتہ ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے ہر موقع پر امیر جماعت کے فیصلوں کو قبول کیا اور یہ ہمارا فرض بھی تھا کہ امیر کے حکم کی اطاعت کریں لیکن امیر بھی پابند ہوتا ہے کہ وہ شریعت اور شوریٰ کے فیصلوں کا پابند رہتے ہوئے دستور کی خلاف ورزی نہیں کریگا لیکن قاضی حسین احمد نے شروع دن سے ہی ایک علیحدہ گروپ بنا لیا اور ہم جیسے پرانے کارکنوں کو اپنے راستے کی دیوار سمجھتے ہوئے لڑانے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے جس نے ساری فضا کو خراب کر دیا گیا۔ جب ہم کسی کے پاس جاتے تو پوچھتے کہ کس کام سے آئے ہیں حالانکہ ہم پرانے ورکر دارالسلام سے لے کر اب تک ایسے ملتے رہے ہیں جیسے سگے بھائی ہوں ایسے حالات جان بوجھ کر پیدا کئے گئے۔ اس کے بعد شوریٰ کے فیصلوں کے برعکس فیصلے کرنا شروع کئے گئے۔ سب سے پہلے تو جماعت میں گروپ بندی کی گئی۔ پھر عراق کے مسئلہ پر شوریٰ کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ دیا گیا۔ حالانکہ شوریٰ کے تمام اراکین نے اجلاس میں کہا کہ جماعت اسلامی عراق کی حمایت اور سعودی عرب کی مخالفت نہیں کرے گی اور نہ ہی جماعت اسلامی کو سعودی عرب کے خلاف بیان دینا چاہئے۔ اس موقع پر میاں طفیل محمد نے تقریر کی جس پر جماعت کی قیادت برہم ہوئی۔ میاں طفیل محمد سے بدتمیزی بھی کی گئی تاکہ ان کی آواز کوئی نہ سن سکے۔ اس کے بعد "پاسبان" بنائی گئی جس کی شدید مخالفت ہوئی لیکن شوریٰ کے فیصلوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چند افراد نے امیر کے حکم پر پاسبان کو جماعت کی ذیلی تنظیم بنا دیا۔ ان حالات میں بہت سے لوگ جماعت سے ناراض ہو کر گھروں میں بیٹھ گئے۔ بعض نے دوسری جماعتوں میں شرکت کر لی۔

سوال... آپ نے کہا کہ اعتماد بھی ختم ہو گیا اور لوگ ناراض ہو گئے اس کے باوجود قاضی حسین احمد دوبارہ امیر جماعت کیسے منتخب ہو گئے؟

جواب... جب پہلی دفعہ قاضی حسین احمد منتخب ہوئے تھے تو انہوں نے اسی وقت جماعت میں انتشار پھیلانے کے طریقہ پر عمل کرنا شروع کر دیا اور پھر اپنے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے نوجوانوں کو اہمیت دینے لگے۔ اسلامی جمعیت طلبہ میں سے تقریباً چار ہزار نوجوان جماعت میں لائے جنہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا تھا۔ سو ایسا ہی ہوا، قاضی حسین احمد نے جب دوسری دفعہ الکشن لڑا تو بہت سے احباب نے قاضی حسین احمد کے خلاف الکشن ٹربیونل میں درخواستیں دیں لیکن الکشن ٹربیونل بھی قاضی حسین احمد کے اور ان کے گروپ کے افراد پر مشتمل تھا لہٰذا کسی درخواست پر غور کرنا ہی مناسب نہیں سمجھا گیا۔ حتیٰ کہ میاں طفیل محمد نے تو اپنی درخواست میں یہ لکھ دیا تھا کہ قاضی حسین احمد ہمیشہ کے لئے نااہل ہو گئے ہیں لیکن حکم تو قاضی حسین احمد کا چلتا تھا سو وہ دوبارہ امیر منتخب ہو گئے جس پر جماعت کے ارکان نے شدید احتجاج کیا تھا۔

سوال... جیسا کہ آپ نے بتایا کہ اختلافات کافی عرصے سے چلے آ رہے ہیں لیکن آپ نے کچھ عرصہ قبل جماعت سے علیحدگی اختیار کی۔ اس کی خاص وجہ کیا ہے؟

جواب... اختلافات تو بہت پرانے تھے لیکن جماعت کے اتحاد اور انتشار و افتراق سے بچنے کے لئے ہماری کوششیں تھیں کہ مل جل کر حالات ٹھیک کر لئے جائیں لیکن مخالفت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جب قاضی حسین احمد امیر منتخب ہوئے تو انہوں نے دو ماہ کے اندر ہی یہ تاثر دیا کہ وہ مولانا مودودی کے نام یا ذکر یا حوالے کو پسند نہیں کرتے۔ نرم سے نرم الفاظ میں وہ یہی کچھ کہہ سکتے تھے۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ آگے چل کر کچھ نئے گل کھلیں گے۔ اب ہم نے دیکھا کہ یکایک ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ وہ بنیادی تھیوری یا نظریہ جس پر نصف صدی سے کام ہو رہا تھا پس پشت ڈال دیا گیا۔ اقتدار کا حصول مقصود ٹھہرا اور ہجوم عام جمع کرنے کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ گزشتہ انتخابات کے تمام حربوں کو بنیاد بنا کر موجودہ آئینی ڈھانچے، طریقہ انتخاب، فضا کا جائزہ لینے کی بجائے یہ کوششیں کی گئیں کہ کسی نہ کسی طریقے سے زیادہ سے زیادہ سیٹیں حاصل کر لی جائیں۔ پہلا تجربہ اتحاد کے ذریعے کیا گیا۔ پھر الگ ہو ایک نئی شکل سوچی، مختلف جماعتیں بنانا شروع کیں، پھر ڈھول پیٹا گیا، تماشے کئے گئے جو جماعت کے لئے نیا فلسفہ تھا جس کے تحت اخلاقیات، ذہنی ترقی، اخلاقی تعمیر اور دیگر تقاضے دم توڑ گئے اور ساری توجہ حصول اقتدار کی کشمکش پر مرکوز ہو گئی۔ ساری توانائیاں اسی ایک مقصد کے لئے وقف ہو گئیں۔ ایسے کھیل تماشے ہوئے اور ہنگامے ہوئے کہ برسوں کی ساکھ خاک میں مل گئی۔ یہ سارا کچھ کر کے اور جماعت کی نصف صدی کی کمائی کو "لٹا کر" بھی انتخابی کامیابی صفر رہی۔ زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو جمع کرنے کی کوششیں اور جلد بازی کی وجہ سے کام بگڑتے گئے۔ قواعد و ضوابط ٹوٹتے گئے ٹوٹ پھوٹ کے عمل سے جماعت کے اندر اضطراب بڑھتا گیا اور جماعت اسلامی جیسی منظم نظریاتی جماعت کے اندر دراڑیں پڑنے لگیں۔ یکسوئی ختم ہو گئی۔ جماعت اسلامی کا نام جن بنیادوں، جن اصولوں اور جس معیار پر ہو رہا تھا انہیں تباہ کر دیا گیا۔ انتخابات کے موقع پر ہم نے اسلامک فرنٹ کی مخالفت کی تو ہمیں غدار کہہ دیا گیا۔

حقیقتاً انتخابات میں اسلامک فرنٹ کے نام پر الیکشن کا مقصد پیپلز پارٹی کی حکومت بنوانا تھا جس پر میاں طفیل محمد نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسلامک فرنٹ کے نتیجے میں وہ جماعت حکمراں بنے گی جس کے خلاف مولانا مودودی کی زندگی سے اب تک پاکستان کی تمام جماعتیں مشترکہ طور پر لڑتی رہی ہیں۔ میاں طفیل محمد نے مزید کہا کہ مسلم لیگ میں چند خرابیاں تو ہو سکتی ہیں وہ پیپلز پارٹی کی طرح امریکہ کے ایجنٹ تو نہیں ہیں، وہ ملک کے قاتل تو نہیں ہیں لہٰذا ہمیں پیپلز پارٹی کے قبضہ میں نہ دیا جائے لیکن جماعت کی قیادت ایک بات کہتی رہی کہ دونوں برائیاں ہیں، دونوں سے نجات حاصل کرنی چاہئے حالانکہ یہ پیپلز پارٹی قائم کرانے کی ایک سازش تھی جو پوری ہو گئی۔ مجھے باوثوق ذرائع سے یہ بھی پتہ چلا کہ انتخابات کے دنوں میں جماعت اسلامی کے ایک رہنما نے پیپلز پارٹی کے کسی اہم رہنما سے بات چیت کرتے ہوئے پوچھا کہ ہم یعنی جماعت اسلامی پیپلز پارٹی کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ کیا حکم ہے؟ تو پیپلز پارٹی کے رہنما نے کہا کہ بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ مسلم لیگ سے اتحاد نہ کریں جس پر پیپلز پارٹی کی ہائی کمان بہت خوش تھی۔ اب ایسے حالات میں جب جماعت کی قیادت نے سرے سے جماعت کے مقاصد کو پس پشت ڈال دیا ہو، کیسے اکٹھا رہا جا سکتا تھا لہٰذا ہم نے الگ ہو کر جدوجہد کرنا مناسب سمجھا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

سوال... آپ نے کہا کہ جماعت نے ذاتی طور پر الیکشن لڑا تو اس الکشن میں لگنے والے پیسے جو کروڑوں روپے تھے، کہاں سے آئے؟

جواب... اس سوال کا جواب ہم بھی آج تک نہیں سمجھ پائے۔ ہم نے الیکشن کے دنوں میں بیت المال آفس سے معلوم کیا کہ یہ اخراجات کیوں کئے جا رہے ہیں تو بیت المال کے انچارج نے ہمیں تمام حسابات دکھاتے ہوئے بتایا کہ انتخابات میں بیت المال سے ایک پیسہ بھی نہیں نکلوایا گیا۔ جتنے لوگ اعانت کرتے ہیں اتنے پیسے ویسے کے ویسے پڑے ہیں۔ انتخابات کے لئے بیت المال سے پیسے نہیں لئے گئے۔ اب حیرت کی بات ہے کہ کروڑوں روپے کہاں سے آئے، کس نے دئے، کس لئے دئے، مقصد پورا ہو گیا یا نہیں۔ یہ صورت حال آپ بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں لہٰذا اب ہم مزید کیا کہیں۔

سوال... کیا آپ کی جماعت سے علیحدگی کی ایک وجہ مسلم لیگ سے اتحاد ٹوٹنا بھی تھی؟

جواب... مسلم لیگ سے اتحاد کا تقاضا تو اس لئے کرتے تھے کہ پیپلز پارٹی انتخابات میں جیت کر پاکستان کے عوام پر مسلط نہ ہو جائے۔ آخر کار وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا کہ ہمارے اکابرین نے اپنے ہاتھوں سے پیپلز پارٹی کی ملک دشمن حکومت قائم کروا دی۔

سوال... مولانا آپ کی جماعت "تحریک فکر مودودی" کے وجود میں آنے کے مقاصد کیا ہیں۔ اب کیا سمجھا جائے کہ جماعت واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے؟

جواب... جب ہم نے محسوس کیا کہ جماعت اسلامی اب مولانا مودودی کے منشور سے غداری کر رہی ہے تو یہی بہتر سمجھا کہ علیحدہ ہو کر بیٹھ جائیں مگر پھر ایک ہی سوچ تھی کہ میں اکیلا نہیں بلکہ سینکڑوں احباب ایسے ہیں جو جماعت کی موجودہ قیادت سے متنفر ہو چکے ہیں تو کیوں نہ ایک ایسا پلیٹ فارم بنایا جائے جہاں سے مولانا مودودی کے نظریات اور ان کے منشور کے مطابق کام کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہمیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ صرف اندرون ملک نہیں بلکہ بیرون ملک سے بھی رابطے بڑھے ہیں۔ ان ممالک سے رابطے کئے گئے جہاں جماعت اسلامی اتنی بڑی جماعت ہونے کے باوجود رابطے نہیں کر سکی۔ نیو یارک سے ہمیں کئی خطوط موصول ہو چکے ہیں کہ یہاں یونٹ قائم کیا جائے۔ ایسے حالات میں ہم سمجھتے ہیں کہ جماعت سے ناراض لوگ لیکن فکر مودودی سے مخلص لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں تو ہماری کامیابی ہے۔ جہاں تک دو حصوں میں تقسیم ہونے والی بات ہے تو درست یہ ہے کہ اصل جماعت اسلامی ہماری تنظیم ہے جبکہ قاضی حسین احمد کا گروپ صرف مولانا مودودی کا نام استعمال کر رہا ہے۔ اور جو لوگ ان سے متفق نہ ہوں گے اب ہمارے پاس آئیں گے لہٰذا دو حصوں میں تقسیم ہونے والی بات تو نہیں بلکہ اصل فکر اور نظریہ مودودی ہمارے پاس ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مولانا مودودی کی جماعت جو مر گئی ہے اس کو زندہ جاوید رکھا جائے۔

سوال... کیا کبھی جماعت کی طرف سے رابطہ کیا گیا یا آپ دونوں جماعتوں میں اتحاد ممکن ہے؟

جواب... ہمیشہ لڑائی کے بعد صلح کرنے کے لئے اپنی غلطی کو تسلیم کرنا پڑتا ہے لیکن جماعت کی موجودہ قیادت اپنے آپ کو فرشتہ سمجھتے ہوئے کسی غلطی کو ماننے کے لئے تیار نہیں بلکہ اب بھی جماعت اسلامی میں گروپ بندی کی جا رہی ہے اور ہر جگہ قاضی حسین احمد کے حکم پر ذمہ داران کو تعینات کیا جا رہا ہے جیسا کہ سرحد میں۔ صوبہ سرحد کی امارت کے انتخاب میں مولانا گوہر رحمان کو پچاس فیصد اور موجودہ امیر کو بیس فیصد ووٹ ملے لیکن قاضی حسین احمد نے حکم دیا کہ بیس فیصد والے کو امیر بنایا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اب وہ سرحد کے امیر کی حیثیت سے قاضی حسین احمد کے ہمراہ بیرونی ممالک کے دورے بھی کر رہے ہیں جس پر صوبہ سرحد کے ارکان ناراض ہیں اور جماعت کی قیادت پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسے ہی ضلع سیالکوٹ میں کیا گیا۔ وہاں 45 ووٹ والے پر چار ووٹ لینے والے کو برتری حاصل کروائی گئی۔ ضلع سیالکوٹ کا امیر امین جاوید کو بنایا گیا جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ امین جاوید ایک مالدار شخص ہے اور عہدے کے لئے پیسے لگا سکتا ہے۔ ضلع سیالکوٹ کے سارے ارکان ہمارا تعاون کر رہے ہیں۔ ایسے ہی قاضی حسین احمد کے حکم پر ریاست سوات میں بھی نتائج تبدیل کئے گئے۔ جب ایسے حالات ہوں تو اتحاد کیسے ہو سکتا ہے۔ لوگ متنفر ہو چکے ہیں۔ اب معاملہ کنٹرول نہیں کیا جا سکتا۔

> جب ہم نے محسوس کیا کہ جماعت اسلامی اب مولانا مودودی کے منشور سے غداری کر رہی ہے تو یہی بہتر سمجھا کہ علیحدہ ہو کر بیٹھ جائیں مگر پھر ایک ہی سوچ تھی کہ میں اکیلا نہیں بلکہ سینکڑوں احباب ایسے ہیں جو جماعت کی موجودہ قیادت سے متنفر ہو چکے ہیں تو کیوں نہ ایک ایسا پلیٹ فارم بنایا جائے جہاں سے مولانا مودودی کے نظریات اور ان کے منشور کے مطابق کام کیا جائے۔

# ہندوتو کی فرقہ واریت کے نتیجے میں مسلمان محصور ہوکر رہ گیا ہے

## ارون شوری کی ہسٹیریائی زہر افشانی کا پوسٹ مارٹم

تحریر: ظفر جنگ

انتخابیت، دروغ گوئی، تحریف اور نیم حقائق کی پیش کش کو ہندوتو تحریک کی غذائی حیثیت حاصل ہے اور ماہ نومبر کی روزنامہ "ایشین ایج" کی ایک اشاعت میں شامل ارون شوری کے مضمون میں ہسٹیریائی زہر افشانی بھی انہیں عوامل پر مبنی ہے۔ انگریزی پریس کی مبینہ مسلم نواز پالیسی اور اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو کی جابرانہ پالیسیوں پر شدید اظہار افسوس کرتے ہوئے شوری نے حسب معمول غریب مسلمانوں کو اپنے غیض و غضب کا نشانہ بنایا ہے۔

شوری اور ان کے ہم قبیل افراد کی کوششوں کے نتیجے میں ہندستانی مسلمان محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہندوتو کی طاقتوں کی طرف سے بھڑکائی ہوئی فرقہ واریت کی آگ کی وجہ سے وہ ناقابل بیان جسمانی اور نفسیاتی عدم تحفظ کی حالت میں زندگی گذار رہے ہیں۔ چند سالوں میں ہندوتو وادیوں کے ہجوم کے ہاتھوں قتل ہونے والے مسلمانوں کے سرکاری اعداد و شمار کی تحریف اڈوانی کے الفاظ میں مسلمانوں کو "کھلا ہوا سبق دینے" کی واضح مثال تو ہے ہی ساتھ ہی اس نے پریس کے ایک طبقے کی جمہوریت نوازی کا پردہ بھی فاش کر دیا ہے۔

وزیر مملکت برائے داخلی امور کے 6 جنوری 1991 کو راجیہ سبھا میں دئے گئے ایک بیان کے مطابق 1989 اور 1991 کے نصف اول کے درمیان ملک میں مختلف مقامات پر 62 فرقہ وارانہ فسادات میں 2025 مسلمان قتل کئے گئے لیکن اہم بات یہ ہے کہ ایک مجرم کو بھی سزا نہیں دی گئی جس کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ بابری مسجد کا انہدام، دیگر مساجد قبرستانوں اور مزارات کی بڑے پیمانے پر مسماری، کئی بڑے شہروں میں مسلمانوں کا قتل عام اور ٹاڈا کے تحت ان کی کثیر تعداد میں گرفتاری جیسے اقدامات مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کی تنہا مثالیں نہیں ہیں بلکہ مسلسل فرقہ وارانہ تعصب اور امتیازی سلوک کی بھی دلالت کرتی ہیں۔ جب ہزاروں مسلمان بچوں، عورتوں اور مردوں کو محض مسلمان ہونے کے جرم میں ان کے پڑوسیوں اور پولس کی آنکھ کے سامنے دن دہاڑے بے دردی سے قتل کیا گیا تو اس وقت شوری اور پریس کے جس حلقے کے وہ طرفدار ہیں اس کے حلق سے ایک ہلکی سی آواز بھی کیوں نہیں نکل سکی۔

مقامی پریس، پولس اور انتظامیہ کی بے نیازی اور جانب دارانہ رویے، اقلیتی فرقے کے خلاف تشدد کے اعمال میں ان کی شمولیت، مسلمانوں کے جانی و مالی نقصان کو تخفیف کے ساتھ پیش کرنے اور الٹے مسلمانوں پر الزام عائد کرنے کی ان کی کوششیں، اعداد و شمار پر پردہ ڈالنے کے حربے، مسلمانوں پر تشدد کے ثبوتوں میں رد و بدل اور جعلی ساز گار ثبوتوں کی فراہمی یہ سب ایسی باتیں ہیں جو حالات کا متضاد رخ پیش کرتی ہیں۔

مسلمان مظفر نگر میں پولس کے رول کی حمایت نہیں کر رہے ہیں۔ بعض مسلمانوں نے صحافیوں پر حملے کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ میں مسٹر شوری کو یاد دلانا چاہوں گا کہ پریس کے اسی طبقہ نے ایک موقع پر مسلمانوں پر پولس کی زیادتی کے معاملے پر چپ سادھ لی تھی۔ یہی پولس تھی جس نے 1987 میں میرٹھ فساد میں گنگ نہر پر مسلمانوں کو ایک صف میں کھڑا کر کے گولی ماری۔ سرکاری اندازے کے مطابق 1980 میں نیلی کے مقام پر کئی ہزار مرد عورت اور بچے بے رحمی سے قتل کر ڈالے گئے۔ 1989 کے بھاگلپور کے فساد میں تو ریکارڈ ہی ٹوٹ گیا جہاں پانچ ہزار مسلمان اپنی جانوں سے ہاتھ دو بیٹھے۔

**6 جنوری 1991 کو راجیہ سبھا میں دئے گئے ایک بیان کے مطابق 1989 اور 1991 کے نصف اول کے درمیان ملک میں مختلف مقامات پر 62 فرقہ وارانہ فسادات میں 2025 مسلمان قتل کئے گئے**

وشو ہندو پریشد کے لیڈران

نیلی 1980، میرٹھ 1982 و 1987، فیروز آباد 1992، ملیانہ 1987، ہاشم پورہ 1987، بھاگلپور 1989، حیدر آباد 1990، علیگڑھ 1990، سیتامڑھی 1991، سورت 93۔1992 اور بمبئی 1993 کے فسادات کی انکوائیری رپورٹوں سے پولس کے براہ راست مظالم ثابت ہو چکے ہیں۔ کیا مسٹر شوری کو یہ سب واقعات یاد ہیں۔ یقیناً وہ بھول چکے ہوں گے کیوں کہ انہیں یاد رکھنا ان کے مفاد کے منافی ہے۔

بابری مسجد کے انہدام کے بعد اپنی جائدادوں سے محروم، گرفتار شدگان اور مقدمات میں الجھائے گئے افراد میں سے نوے فی صد تعداد مسلمانوں کی ہے۔ تشدد کے پہلے مرحلے میں پولس بڑی مستعدی سے مسلمان آبادی والے علاقوں میں لوٹ مار میں مصروف تھی جب کہ ہندوتو کے جنون میں سرشار افراد تشدد کا سفاکانہ جشن منا رہے تھے۔ الودھیا اور فیض آباد کے سارے مسلمانوں نے اپنے گھروں کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں پناہ لے لی تھی۔ اسی پولس نے تشدد کے دوسرے مرحلے میں تلواروں، گنڈاسوں، پٹرول بموں سے لیس ہندوتو کے جنونیوں کی قتل و غارت گری میں پوری طرح مدد کی۔ سورت میں ہندو راشٹر کے فاشسٹ عقید تمندوں نے سیکڑوں مسلمان عورتوں کی آبرو ریزی کر کے نہ صرف "دھرم یدھ" میں شرکت کی بلکہ اس کی ویڈیو فلم بھی بنائی۔ کہا جاتا ہے کہ بمبئی کے ایک اخبار نے مسلمانوں کے خلاف تشدد و نفرت کے جذبات کو خوب بھڑکایا۔

کیا اس اخبار کے تئیں مسٹر شوری نے کبھی کسی رد عمل کا اظہار کیا؟

مسلمان اس ملک میں اقتصادی بدحالی، ترقی کی نعمتوں، سرکاری ملازمتوں تک مساویانہ رسائی، اعلیٰ تعلیم، بنک کے قرضوں اور صنعتی لائسنسوں سے محرومی کے شکار ہیں۔

ہندوستان کے مختلف مذہبی گروہوں کی سماجی و اقتصادی حالت پر نیشنل سیمپل سروے 1990 کی فراہم کردہ معلومات شاہد ہیں کہ ہندوؤں کے مقابلے میں دیہی علاقوں میں مسلمانوں کی غربت کا تناسب سترہ فیصد زیادہ ہے۔ اس وقت ملک کے 76 ملین مسلمانوں میں سے تقریباً نصف تعداد خط افلاس سے نیچے ہے۔ تعلیم اور خواندگی کے میدان میں پسماندہ ہونے کی بنیاد پر مسلمان اپنے ہندو برادران سے مسابقت کی حالت میں نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں ایک علاحدہ مالیاتی کارپوریشن کے قیام کو فرقہ واریت سے کیسے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ یہ کارپوریشن صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام اقلیتوں کے لئے ہے جس میں جین، سکھ، بودھ اور پارسی سب شامل ہیں۔

شوری کا جملہ کہ مسلم ووٹروں کے ٹھیکیدار اس فیصلہ سے یوں خوش ہیں کہ انہیں لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے 5 بلین کی رقم ملے گی، حد درجہ غیر ذمہ دارانہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلم مخالفت کے جنون میں کسی حد تک بھی گزر سکتے ہیں۔ واضح ہو کہ کوئی مالیاتی ادارہ رقمیں بانٹتا نہیں بلکہ قابل واپسی قرضہ دیتا ہے۔ اور یہ بھی کوئی چھپی ہوئی بات نہیں کہ شیڈولڈ کاسٹ / شیڈولڈ ٹرائب کے لئے پہلے ہی ایک الگ مالیاتی کارپوریشن قائم ہے۔ وہ اس ادارے کے خلاف اپنے قلم سے تلوار کا کام کیوں نہیں لیتے۔

(انگریزی سے تلخیص و ترجمہ)

## بقیہ: بمبئی کے مسلمانوں کا اعلان جنگ

انہوں نے کانگریس کے خلاف بگل بجا دیا ہے۔ گذشتہ دنوں ڈونگری میں ہونے والا علماء کونسل کا اجتماع اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے کانگریس کو شکست دینے کا عزم محکم کر رکھا ہے۔ یہ آل انڈیا علماء کونسل کا ریاستی سطح کا پہلا اجتماع تھا۔ واضح رہے کہ بابری مسجد کی شہادت کے بعد اس کونسل کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس اجتماع میں کھل کر کانگریس مخالف تقریریں ہوئیں اور کچھ مقررین نے یہاں تک کہا کہ علماء کو چاہئے کہ وہ کانگریس کو شکست دینے کے لئے حکم صادر کریں۔ کچھ پر جوش مقررین نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ہمیں شیو سینا بے جے پی اتحاد کو ووٹ دینا گوارہ ہے مگر کانگریس کو ووٹ دینا گوارہ نہیں ہے۔ مقررین نے کانگریس اور شیو سینا کے مقابلے میں ایک تیسری سیاسی قوت کی تشکیل پر بھی زور دیا (اور شاید اسی کے پیش نظر وی پی سنگھ نے سیکولر جماعتوں کو لیکر تیسرے فرنٹ کی تشکیل کی ہے) اس اجتماع میں شامل ہونے والے تمام چھ سو علماء کی یہ متفقہ رائے تھی کہ کانگریس کو کسی بھی حالت میں شکست دینا ہے۔

علماء کونسل کے سکریٹری جنرل مولانا عبدالقدوس کاشمیری کا کہنا ہے کہ ہم الیکشن نہیں لڑیں گے ہم صرف انصاف اور کانگریس کو شکست دینا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کو متحد ہو کر کانگریس کی مخالفت میں اپنا ووٹ ڈالنا چاہئے۔ ایک دوسرے مقرر کا کہنا تھا کہ کانگریس 47 برسوں سے مسلمانوں کو دھوکہ دے رہی ہے اب مسلمان مزید دھوکہ کھانے کو تیار نہیں ہیں۔

یوں تو بمبئی کے مسلمان پہلے سے ہی کانگریس سے برگشتہ ہیں اور اسے شکست خوردہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن علماء کونسل کے اجلاس کے بعد ان کے جوش و خروش میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے اور وہ کھل کر کانگریس اور شیو سینا کے مقابلے میں تیسری سیاسی قوت کے ساتھ آ گئے ہیں۔ واضح رہے کہ ریاست میں مسلم رائے دہندگان تیرہ فیصد ہیں اور 288 سیٹوں والی اسمبلی میں 110 حلقے ایسے ہیں جہاں مسلمان فیصلہ کن پوزیشن میں ہیں۔ ان سو سیٹوں پر مسلمان جسے ووٹ دے دینگے وہ آسانی سے جیت جائے گا۔

علماء کونسل کا اجلاس اور تیسرا فرنٹ بمبئی کے سیاسی حلقوں میں موضوع گفتگو بنا ہوا ہے جہاں چند سرکاری قسم کے مسلمان کانگریس کو ووٹ دینے کی بات کرتے ہیں وہیں مسلمانوں کی اکثریت علماء کونسل کے فیصلے سے متفق ہے۔ ملی ٹائمز کے دفتر سے جب بمبئی کے سربرآوردہ مسلمانوں سے اس سلسلے میں گفتگو کی گئی تو بیشتر نے علماء کونسل کے فیصلے کی تائید کی۔ البتہ کچھ لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ علماء کو ان سب معاملوں میں نہیں پڑنا چاہئے اس سے ان کا وقار مجروح ہوتا ہے۔ خلافت کمیٹی کے سکریٹری ایم اے عزیز نے تقریباً پندرہ دن مسلمانوں سے ملاقاتیں کر کے ان کا عندیہ لینے میں گزارا ہے۔ ایک بیان میں ان کا کہنا ہے کہ آج مسلمانوں میں کانگریس کے خلاف جو غم و غصہ ہے وہ اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا گیا۔ آندھرا پردیش اور کرناٹک کی مانند مہاراشٹر کے مسلمان بھی کانگریس کے خلاف ووٹ ڈالیں گے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ تیسرے فرنٹ کو مسلمانوں کا ووٹ ملیگا۔ ایک معروف اردو صحافی ساجد رشید کا بھی یہی خیال ہے۔ وہ بھی اس بات سے متفق ہیں کہ آج مسلمان کانگریس سے بہت ناراض ہیں۔ فسادات اور ان کو کنٹرول کرنے میں کانگریس حکومت کی ناکامی نے ان کے ذہنوں پر بہت برا اثر ڈالا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان کانگریس کو ووٹ نہیں دیں گے۔ خیال رہے کہ اب تک بمبئی کے مسلمان روایتی طور پر کانگریس کو ووٹ دیتے آئے ہیں۔ اسکی ایک بڑی وجہ کسی دوسرے متبادل کی عدم موجودگی بھی رہی ہے۔ لیکن اب جب کہ تیسرا فرنٹ تیار ہو گیا ہے مسلمان شش و پنج کی کیفیت سے نکل آئے ہیں۔

بہر حال فروری کے الیکشن میں امکان ہے کہ بمبئی کا سیاسی منظرنامہ یکسر تبدیل ہو جائے گا۔ عین ممکن ہے کہ مسلمانوں کو آزمائشوں کی چکی میں پیسنے والی حکومت کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اس نکتے پر بھی غور کرنا چاہئے کہ دوسروں کو اقتدار کا مالک بنانے کے بجائے کیا وہ خود اقتدار کے مالک نہیں بن سکتے۔ وہ ایسی صورت حال تشکیل دینے کی حکمت عملی کیوں نہیں طے کرتے کہ رائے دہندگان انہیں کو کامیاب بنا کر ایوان اقتدار میں بھیجیں تاکہ وہ دوسروں کا دست نگر بننے کے بجائے اپنے مسائل خود حل کریں۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک وہ دوسروں کے رحم و کرم پر رہنے کی روایت نہیں چھوڑیں گے، انکے مسائل حل نہیں ہوں گے اور ترقی کی منزلیں ان سے دور رہیں گی۔

# مناسب رشتے

☆ علیگڑھ میں مقیم شیخ خاندان سے متعلق کانوینٹ کی تعلیم یافتہ 23 سالہ (قد پانچ فٹ) خوبصورت اور کھلی ہوئی رنگت والی لڑکی کے لئے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس 7

☆ ملک سے باہر اکزیکٹو کے عہدے پر فائز، کانوینٹ کی پڑھی ہوئی، پروفیشنل ڈگری یافتہ، خوبصورت چھریرے بدن کی دراز قد لڑکی کے لئے 30 سالہ شیعہ لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکی عنقریب ہندوستان آنے والی ہے اور اس کے والدین امریکہ منتقل ہونے والے ہیں۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس 8

☆ چوبیس سالہ (قد تقریباً پانچ فٹ) معزز گھرانے کی تعلیم یافتہ سنی مسلم ٹیکسٹائل ڈیزائنر سلیقہ مند لڑکی کے لئے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ: ملی ٹائمز باکس 9

●

☆ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں برسر ملازمت (تعلیم ایم۔ اے) 25 سالہ سنی مسلم، جملہ امور خانہ داری میں ماہر لڑکی کے لئے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس 10

●

☆ مہذب اور وضع دار والدین کو اپنی دیندار،

مہذب، اسمارٹ اور غیر ملکی ایرلائن میں ملازم 26 سالہ بیٹی (قد پانچ فٹ سے نکلتا ہوا) کے لئے شریف شیعہ گھرانے کے پروفیشنل ڈگری یافتہ اور معقول روزگار سے وابستہ شیعہ نوجوان سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس 11

☆ دہلی میں سکونت پذیر مغربی یوپی کے تعلیم یافتہ (ایم۔ اے) چوبیس سالہ نوجوان (قد پونے چھ فٹ) کے لئے گھریلو خوبصورت، تعلیم یافتہ (قد کم از کم پانچ فٹ) کا رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکے کا ذاتی کاروبار اور مکان دہلی میں ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس 12

☆ پرائیویٹ سیکٹر میں برسر ملازمت الکٹرونک انجینیر میں ڈپلوما ہولڈر 23 سالہ سنی مسلم نوجوان (قد چھ فٹ) کے لئے خوبصورت اور باسلیقہ لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ ملازمت پیشہ خاندان کی لڑکیوں کو ترجیح دی جائے گی۔ رابطہ: ملی ٹائمز باکس 13

●

☆ ملٹی نیشنل فرم میں ملازم پچیس سالہ سنی مسلم انصاری انجینیر (تعلیم بی۔ ای۔ کمپیوٹر) کے لئے معزز خاندان سے تعلق رکھنے والی گھریلو خوبصورت، دیندار اور تعلیم یافتہ لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس 14

☆ شمالی ہند کے ایک زمیندار خاندان کے گذشتہ پانچ سال سے جدہ کی ایک معروف فرم میں برسر ملازمت 29 سالہ (قد سوا پانچ فٹ) انجینیرنگ گریجویٹ کے لئے پروفیشنل ڈگری یافتہ 25 سالہ لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس 15

☆ دراز قد خوبرو امریکی شہریت کے حامل 28 سالہ سنی مسلم کے لئے جس کی ماہانہ آمدنی ساٹھ ہزار روپئے ہے۔ حد درجہ خوبصورت اور تعلیم یافتہ لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ خواہشمند حضرات درج ذیل پتے پر تصویر روانہ کریں۔ شادی جلد کرنی ہے۔
فیصل خاں، معروف منزل، محلہ کوٹلہ
فیروز آباد (یوپی)

☆ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تحقیق و تدریس سے وابستہ وجیہ، دیندار اور تعلیم یافتہ گھرانہ (قد پانچ فٹ 6 انچ) کے لئے خوبصورت، خوب سیرت، گریجوئیٹ و مذہبی و عصری تعلیم یافتہ لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ بہار کلکتہ وغیرہ کے حضرات کو ترجیح دی جائیگی۔ مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع کریں۔
زیڈ احمد، 13بی۔ ووڈسن روڈ، لندن NW5
U.K. _ISA فون: (0071)2677109

☆ مشرقی یوپی سے وابستہ گورکھپور میں مقیم شیخ صدیقی خاندان سے متعلق۔ بی۔ ایس۔ سی۔ بی۔ ایڈ۔ اوسط قد، قبول صورت اور نیک سیرت لڑکی کے لئے اوسط خاندان سے متعلق رشتہ مطلوب ہے۔ براہ کرم جہیز کے طلب گار حضرات رابطہ قائم نہ کریں۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس 16

☆ فیروز آباد سے وابستہ اجمیر میں مقیم، ذہین، خوبصورت، نیک سیرت، ایم اے۔ بی ایڈ لڑکی کے لئے رشتہ مطلوب ہے۔ والد راجستھان میں ایک اسکول کے پرنسپل ہیں، ملازم پیشہ خاندان ہے۔ لڑکی راجستھان کی بہترین ڈبیٹر ہے اور ضلعی سطح کے مقابلوں میں اول انعام حاصل کرتی رہی ہے۔ تعلیم یافتہ گھرانے سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس 17

خوشنما اور دیدہ زیب

## عیدی کارڈ

جنہیں پیش کرکے آپ دشمنوں کو بھی دوست بنالیں
چار رنگوں میں، عمدہ کاغذ، بہترین طباعت معیاری آرٹ
اور قرآنی آیات سے مزین مناسب قیمت
ایجنٹ، بک فروش اور خواہش مند حضرات فوراً رابطہ کریں

پتہ: AtoZ پبلیشرز
49، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

# خلیج جائیے

**R E Q U I R E D**

## SALES ENGINEER

*Q U A L I F I C A T I O N :*

*• B.S. Mechanical Engineer. • Knowledge in Steel Fabrication and Machining. Fluent in English. • Arabic speaking preferred.*
*• Experience in K.S.A. not less than 5 years, as Sales Engineer.*

*Please send C.V. to:* PERSONNEL DEPARTMENT,
P.O. Box 9774, Dammam 31423, K.S.A.

## WANTED

A NATIONAL COMPANY NEEDS FOR IT'S DETERGENT FACTORY

## A CHEMIST

WHO HAS EXPERIENCE IN THE FIELD OF LIQUID SOAP, CLOR & POWDER DETERGENT, WITH WORKING EXPERIENCE OF AT LEAST 5 YEARS.

PLEASE APPLY TO THE FOLLOWING ADDRESS:
P.O. BOX 569
JEDDAH 21421

## EXECUTIVE SECRETARY REQUIRED

Large Trading Company Requires Executive Secretary with following Qualifications :

1. University Graduate in Commerce.
2. 3 years experience in commercial correspodence with self-dependence in corresponding initiation.
3. Fluent in English. Speak , Write, Read.
4. Good typing speed in English.
5. Shorthand and good filing experience.
6. Experience on MS-Word Word processing.
7. Age 25 - 35 with pleasing personality.

Send your C.V. with photo to : PERSONNEL MANAGER
P.O.BOX 16938 , JEDDAH 21474

## MARKETING MANAGER

Saudi Technical Company deals with Specialized products used mainly in the heavy Industries . Oil, Petrochemical, Power Plants and Desalination Plants etc., in conjunction with pumps, valves, heat exchanges, Gaskets and seals etc

***Qualifications Required :***

- Bachelor or Master Degree in Mechanical / Industrial / Marine / Chemical / Industrial Engineering.
- Marketing Experience for Technical Products.
- Able to establish Budgets, Sales / Investment / Marketing Plans.
- Knowledge in field of Oil, Petrochemical, Power Plant or Steel Mill is an advantage.

Qualified & Dynamic candidates meeting the above Qualifications Should send their detailed CV's with the latest photo to:

The MANAGING DIRECTOR
P.O.Box 7274 Dammam 31462 & Fax :(966 3) 857 5815
SAUDI ARABIA.

A LEADING CONSTRUCTION CO
REQUIRES URGENTLY

## CIVIL ENGINEER

A. CONTRACT ADMINISTRATION: to prepare and analyse claims in the light of contract term & conditions.
B. Q/S, PLANNING: to prepare Invoices, planning and execution's schedule by computer.

Candidates must have:

1. (10) ten years of experience in his discipline.
2. Bachelor status / fluent in English / transferable Iqama.

Job site is Yanbu City, C.V. to be sent
P.O. Box 54788, Riyadh 11524, or Fax. 456 3436
Tel: 454 6000 Attn Engr. Rifat Omari

## EMPLOYEES WANTED IMMEDIATELY

**PHYSICIANS**

To work for a Medical Insurance Company.
Residing in Riyadh, Jeddah

**SALES EXECUTIVES**

Have at least 5years experience in corporate selling.
Residing in Riyadh, fluent in Arabic & English.

**COMPUTER PROGRAMMER**

Have atleast 5years experience as a senior programmer.
Experienced in LAN, WAN & FOXPRO 2.5

**For Interview Call Riyadh: 4789761**

## URGENTLY NEEDED FOR EMPLOYMENT

- Mechanical Supervisor
- Chemical Engineer
- Electrical Supervisor/Technician

*All the above positions are for Water / Sewage Treatment Plants.*

- Previous minimum of 5 years experience in similar position is essential.
- Knowledge of Water Treatment process is essential for the Mechanical Supervisor.
- Knowledge of PLC (Programmable Logic Controllers) and Instrumentation is also essential for the Electrical Technician.

*If you fulfil the above and you are interested, Please send your CV to:*

The Maintenance Manager
Fax No. (01) - 654 - 0335
or
P.O.Box 56888
Riyadh - 11564, K.S.A.

## ATTENTION MEDICAL PROFESSIONALS

A MEDICAL COMPANY URGENTLY NEEDS THE FOLLOWING FOR ITS RECENT EXPANSION

- OPHTHALMOLOGISTS
- OPTOMETRISTS

INTERESTED PARTIES MAY SEND THEIR APPLICATION AND RESUME TO:

MR. ABDULLAH THE MEDICAL DIRECTOR
P.O. BOX 25728
RIYADH 11476
SAUDI ARABIA

## REQUIRED IMMEDIATELY
## QUALIFIED DESIGNERS

- STRUCTURAL
- ELECTRICAL
- LANDSCAPING
- MECHANICAL
- ARCHITECTURAL
- PLUMBING

HIGHLY QUALIFIED ENGINEERS CAPABLE OF HANDLING WORK INDEPENDENTLY WITH A MINIMUM OF 10 YEARS EXPERIENCE IN 200/300 BED HOSPITALS / HOTELS / LARGE INTERNATIONAL PROJECTS IN MIDDLE EAST OR EUROPEAN COUNTRIES.

INTERESTED CANDIDATES MAY FAX THEIR FULL DETAILS ON 4640412 OR WRITE TO:

**P.O.BOX 62569, RIYADH - 11595**

A REPUTED GROWTH-ORIENTED TRADING & CONTRACTING CO. REQUIRES URGENTLY

## A SHOWROOM
## SALESMAN

***The applicant should have :***

- 5 Years experience as a salesman
- Good command over Arabic and English, both written and spoken.
- Smart, presentable and intelligent

*Interested Persons may send their C.V. to:*
**P.O. Box 2552 - Safat 13026, Kuwait**
**or fax to:**
**(965) 2439102**

# وراثت کے تعلق سے اسلام کیا کہتا ہے؟

## شریعت نے عورت کے خانداني مرتبے کی حیثیت سے وراثت میں بھی اس کا حق متعین کیا ہے

اسلام میں انسانی، مذہبی، اجتماعی اور مالی اعتبارات سے مرد اور عورت دونوں کو مساوی حقوق دئے گئے ہیں۔ اصل انسانی میں دونوں کے اشتراک کی بناء پر وہ ایک دوسرے کے ہمسر ہیں۔ تاہم بعض مذاہب اور فلسفوں کے نزدیک عورت کو مفسد روح کی حیثیت حاصل رہی ہے جس کے معاملات و عبادات مردوں سے مختلف ہوں۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے مرد اور عورت دونوں کو یکساں حقوق دئے ہیں تو یکساں فرائض بھی ان پر عائد ہیں۔ ان کے ایمان و عبادت کو مردوں کے ایمان اور عبادت کی برابری حاصل ہے۔ ملکیت، حصول تعلیم اور اجتماعی امور کی ادائیگی میں ان کے وہی حقوق ہیں جو مردوں کے ہیں۔ اسی لئے اسلام نے کسی باپ کو اپنی بیٹی کے ولی کی حیثیت سے اس کا مجاز نہیں ٹھہرایا ہے کہ بیٹی کی مرضی کے بغیر کسی شخص سے اپنی پسند کے مطابق اس کی شادی کر دے۔

چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک نوجوان لڑکی نے رسول اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے والد نے میری شادی میرے عم زاد سے کر دی ہے تا کہ وہ اس طرح اپنی بدحالی دور کر سکے لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں ہے۔ حضور نے اس لڑکی کے باپ کو طلب کیا اور پوری بات سن کر لڑکی کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس کے بعد لڑکی نے کہا کہ جو کچھ میرے والد نے کیا میں نے اس کی اجازت دی لیکن میں عورتوں کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ اگر کسی کے ساتھ شادی کرنے کی ان کی اپنی مرضی نہیں ہے تو اس کا اظہار کرنے میں کوئی اکراہ نہیں ہے۔ عورت کو پوری آزادی ہے کہ اپنی چیزوں اور مال و دولت کو مرد کی مداخلت کے بغیر اپنے تصرف میں رکھے یا مرد کو اس میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کی اجازت دے۔ اس کے برعکس بعض مغربی ممالک میں عورتیں آج بھی اپنے شوہروں کے ارادوں اور پسند و ناپسند کی اسیر

> عورت کو پوری آزادی ہے کہ اپنی چیزوں اور مال و دولت کو مرد کی مداخلت کے بغیر اپنے تصرف میں رکھے یا مرد کو اس میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کی اجازت دے۔ اس کے برعکس بعض مغربی ممالک میں عورتیں آج بھی اپنے شوہروں کے ارادوں اور پسند و ناپسند کی اسیر ہیں اور تمام مالی معاملات میں شوہر کے فیصلوں کی پابند ہیں۔

ہیں اور تمام مالی معاملات میں شوہر کے فیصلوں کی پابند ہیں۔

باوجود اس کے کہ اسلام نے مرد و عورت میں مساوات کے معاملہ کو بہت واضح کر دیا ہے بعض مریضانہ ذہنیت کے حامل افراد نے عورتوں سے متعلق مخصوص معاملات کو ان دشمنان اسلام کی تقلید میں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے جس سے دعوت اور اللہ کے بتائے راستے میں شکوک و رخنہ ڈالنے کے علاوہ کسی دوسری بات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ مثال کے طور پر وراثت سے متعلق ان کی ریشہ دوانیاں قابل غور ہیں۔ بیشتر لوگ یہ جانتے ہیں کہ اسلام سے پہلے کسی سوسائٹی میں عورت کو حق وراثت نہیں ملتا تھا بلکہ اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور خود ترکے کے حصے کے طور پر مردوں کی وراثت سمجھی جاتی تھی کیوں کہ میراث زیادہ تر اقوام میں مردوں اور خصوصا بڑے بیٹے کو منتقل ہوتی تھی اگر کسی شخص کا انتقال ایسی حالت میں ہو کہ پسماندگان میں صرف بیٹیاں ہوں تو جائداد اور میراث براہ راست اس کے مرد رشتہ داروں کو منتقل ہو جاتی تھی اور عورتوں کا کوئی ذکر بھی اس ضمن میں نہ آتا تھا۔ اسلام نے عورت کے لئے بھی ورثے میں حق مقرر کیا جس سے کہ مرد کبھی منحرف نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس میں کمی کر سکتا ہے۔ اسلام نے عورت کے خاندانی مرتبے۔ یعنی ماں بیوی، بیٹی اور بہن کی حیثیتوں سے میراث میں اس کے حق کا تعین کیا۔ اسلام نے ان حالات کی بھی وضاحت کی ہے جس میں میراث میں مرد اور عورت کا حصہ برابر ہوتا ہے۔ مثلا اگر کسی شخص کا انتقال ان حالات میں ہو کہ وہ اپنے پیچھے نرینہ اولاد اور ماں باپ کو چھوڑے تو ان میں سے دونوں کو برابر حصہ ملے گا۔ بعض حالات میں عورت کا حصہ مرد کے حصے کے برابر ہے تو کہیں اس سے زیادہ ہو جاتا ہے مثال کے طور پر کسی شخص کا انتقال ہوا اور اس نے اپنے پیچھے ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑے۔ اس کا کل ترکہ مان لیجئے تین ہزار روپئے کا تھا تو بیٹے کو دو ہزار روپئے ملیں گے اور بیٹی کو ایک ہزار۔ جب اس لڑکے کی شادی ہوگی تو اسے مہر ادا کرنا ہوگا۔ مکان کا انتظام کرنا ہوگا اور بیوی کی گزر بسر کے لئے سارے سامان اسے ہی فراہم کرنے ہوں گے خواہ وہ خود کتنی ہی امیر ہو۔ ایسی صورت میں وہ دو ہزار تو اس شخص اور اس کی بیوی کی ضرورتوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ بیٹا پہلے ہی شادی شدہ اور صاحب اولاد ہے تو ذمہ داریاں اور اخراجات مزید بڑھ جائیں گے۔ اور اب نظر ڈالیے اس کی بہن پر۔ جب اس کی شادی ہوتی ہے تو وہ اپنے شوہر سے سونے یا نقد کی صورت میں مہر پاتی ہے۔ یہ اس ایک ہزار پر مستزاد ہے جو اسے وراثت میں ملا ہے۔ نیز یہ کہ اس کے اخراجات کی نوعیت اپنے بھائی کے اخراجات سے مختلف ہے اور اس کے کھانے پینے پہننے کی ضروریات اس کا شوہر پوری کرتا ہے۔ اس طرح مرد کا حصہ ذمہ داریوں کی کثرت کی بناء پر عورت کے مقابلے میں کم پڑ جاتا ہے اور عورت کا حصہ بڑھ جاتا ہے کیوں کہ یہ خاندان کے تئیں بعض مالی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے اپنے ضوابط سے شریعت الٰہی پر کیچڑ اچھالنے کی کوششوں کو باطل کر دیا ہے۔ اور یہ کہ عورت کے حقوق کے تحفظ کے ساتھ وہ اس کی حرمت و احترام کی ضمانت بھی دیتا ہے۔

> حضور نے اس لڑکی کے باپ کو طلب کیا اور پوری بات سن کر لڑکی کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس کے بعد لڑکی نے کہا کہ جو کچھ میرے والد نے کیا میں نے اس کی اجازت دی لیکن میں عورتوں کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ اگر کسی کے ساتھ شادی کرنے کی ان کی اپنی مرضی نہیں ہے تو اس کا اظہار کرنے میں کوئی اکراہ نہیں ہے۔

## اسلام بچوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دینے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا

# آنیوالے بچے کے استقبال کی تیاری آپ پہلے سے کریں

اسلام میں بچوں کو جن حقوق کی ضمانت دی گئی ہے ان سے بیشتر قوانین وضوابط عاری ہیں۔ اس سلسلے میں جدہ میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام "بچے اور اسلام میں ان کے حقوق" کے موضوع پر ایک عالمی سیمینار کچھ دن قبل منعقد ہوا جس میں اسلام اور مغربی دنیا کے علماء، فقہاء، معلم اور ماہرین تربیت شریک ہوئے۔ اور شریعت اسلامی کے مقرر کردہ ان اصولوں سے مستفید ہوئے جو دنیا میں پیدا ہونے والے کسی بچے کو بے یار و مددگار چھوڑ دینے کی کسی طرح بھی حوصلہ افزائی نہیں کرتا بلکہ احترام آدمیت اور انسانیت کے اصول کے تحت اس معصوم زندگی کی حفاظت وکفالت کی تاکید کرتا ہے۔ جب 1959 میں اقوام متحدہ نے حقوق اطفال کا اعلان کیا تو اس نے ابتدائی دس نبود کو تسمیہ، حفاظت، علاج، نگرانی، تعلیم، صحت، ورزش، کھیل کود، بیماریوں سے بچاؤ اور خوش معاملگی سے مخصوص کر کے اسلامی ضابطوں کی ہی توثیق کی ہے۔

لیکن دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ مادہ پرست دنیا عیش و آرام کی طلب میں زیادہ سے زیادہ دولت وآسائش کی فراہمی کی ہوس میں زیادہ تر والدین اپنے بچوں کی صحیح دیکھ ریکھ اور تعلیم تربیت سے غافل ہو جاتے ہیں اور اچانک ان پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ان کا بچہ تو باغی ہوگیا ہے، نشہ کا عادی ہوگیا ہے یا دہشت گردی کو شعار بنا لیا ہے۔ ماں باپ کے تئیں محبت واحترام کا جذبہ اس سے رخصت ہو چکا ہے اور انسانیت کے لئے وہ خطرہ بن سکتا ہے۔ افسوس کہ کتنے ہی بچے اس طرح برباد ہو جاتے ہیں جب کہ وہ مستقبل کے ستون ہیں اور آئندہ تہذیب وتمدن کا انحصار ان پر ہے۔ بچوں کے اس اہم مرتبے اور قدر وقیمت کو جاپان جیسے ترقی یافتہ ملک نے محسوس کرتے ہوئے ماضی میں سرزد ہو جانے والی غلطیوں کے تدارک کی طرف توجہ دینی شروع کی ہے۔ اور اس کی اتباع میں پولینڈ اور سوئزرلینڈ بھی بچوں کو مادی اور روحانی اقدار سے روشناس کرانے کے لئے جدید وسائل سے لیس تعلیمی تربیتی اور رفاہی مراکز قائم کئے ہیں۔

بچوں کے حقوق کے سلسلے میں ہم شرعی موقف پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے حقوق اطفال کی ضمانت پہلے ہی دیدی تھی اس سے قبل کہ کوئی تنظیم یا ادارہ اس کا بیڑہ اٹھاتا۔ اور اس کے لئے بعض تمہیدی اقدامات حسب ذیل ہیں۔

1. شرعی ضوابط کے مطابق زوجین میں الفت وانسیت کا تعلق قائم رہے اس طرح سے کہ وہ غیر شرعی امور سے خود کو بچائے رکھیں۔

2. آنے والے بچے کے لئے پہلے سے تیاری کریں یعنی یہ کہ اس کی اچھی دیکھ بھال، تعلیم وتربیت، طبی نگرانی وغیرہ کا اہتمام کریں۔

3. اپنے ذہن کو اس بات پر پہلے سے آمادہ کر لیں کہ وہ بچے کے ذہن کو اخلاقی اقدار سے ابتداء سے ہی واقف کرائیں گے جیسے کہ ولادت کے فورا بعد اس کے کان میں اذان دینا۔

> آج کے دور میں جب ہماری مصروفیت بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے ہمیں چاہیئے کہ بچوں کی مؤثر تعلیم وتربیت کے لئے ایسے مثالی نرسریاں اور تربیت گاہیں قائم کریں جن میں گھریلو ماحول اور اقدار اور تعلیمی اور تربیتی مناہج کے تعامل کی گنجائش ہو۔

4. اسلامی تعلیم کی روشنی میں ان کی تنبیہ وتادیب تا کہ وہ والدین اور اپنے سے بڑے لوگوں کے ادب واحترام سے منحرف نہ ہو جائے اور اس کے لئے والدین خود نمونہ بنیں گے کیونکہ بچہ اپنے اردگرد کی چیزیں اور اعمال کو دیکھ کر ہی ان کی تقلید کرتا ہے۔ اس پہلو پر اسلام کی خصوصی تاکید ہے جب نبی اور اہل بیت اور تلاوت قرآن پر دوام کی حضور صلعم نے بھی نصیحت فرمائی ہے۔

قرآن کریم کی کئی سورتوں میں نماز کی پابندی اور اس سے غفلت پر تنبیہ وتاکید کا حکم آیا ہے کیونکہ وہی دینی اور دنیوی اصلاح کی کلید ہے۔ بعض جگہوں پر مصیبت میں صبر کرنے کی تلقین آئی ہے یہ سب چیزیں اسلامی اقدار و آداب میں شمار ہوتی ہیں۔

آج کے دور میں جب ہماری مصروفیت بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے ہمیں چاہیے کہ بچوں کی مؤثر تعلیم وتربیت کے لئے ایسے مثالی نرسریاں اور تربیت گاہیں قائم کریں جن میں گھریلو ماحول اور اقدار اور تعلیمی اور تربیتی مناہج کے تعامل کی گنجائش ہو۔ رفاہی اور تفریحی مقامات پر ایسے انتظامات ہوں جہاں وقت پر نماز کی ادائیگی ممکن ہو۔ اس کے علاوہ بچوں کی ذہنی وجسمانی نشو ونما کے لئے تفریحی مقابلے اور کھیل کود کے مقابلے کرائے جائیں جس میں ترغیبی انعامات انہیں دیئے جائیں اس کے ساتھ ساتھ معذور بچوں کے مراکز کے حالات کو بہتر بنایا جائے۔

## دیر میں بھرنے والے زخم سے ہوشیار رہئے کیونکہ

# یہ کینسر بھی بن سکتا ہے

ہندوستان میں کینسر کی بیشتر اقسام قابل علاج اور قابل شناخت ہیں اور ان میں سے ایک تہائی کے اسباب کا تعلق تمباکو نوشی سے ہے۔ دوسری ایک تہائی تعداد ایسے کینسر کی ہے جس میں چھاتی اور زیر رحم کے حصے متاثر ہوتے ہیں اور جن کی شناخت ابتدائی مرحلے میں ہی ہوسکتی ہے جب وہ سرطانی شکل نہ اختیار کرپائے ہوں۔ علاج کی سہولت کی فراہمی سے زیادہ اہم یہ ہے کہ کینسر کی شناخت اور انسدادی تدابیر پر گہری توجہ دی جائے اس کا سبب یہ ہے کہ زیادہ تر مریض کینسر کے تیسرے یا چوتھے مرحلے میں پہونچ جانے کے بعد

اسپتالوں کا رخ کرتے ہیں جہاں پھر معالجوں کے لئے بھی ان کی مدد کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ گویا اس مرض کے تئیں لوگوں کے رجحان اور مزاج کو بدلنے کی کہیں زیادہ ضرورت ہے۔

عورتوں میں چھاتی اور زیر رحم کینسر کی شناخت اپنی جانچ آپ کرو کے اصول پر ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا طریقہ وقفہ جاتی ٹیسٹ کا ہے۔ اس جانچ میں زیر رحم حصے سے بعض خلیے لے کر انہیں سلائڈ پر پھیلا کر دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح وقفے وقفے سے یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ چھاتیوں کی عام بناوٹ میں کوئی تبدیلی تو نمایاں نہیں ہورہی ہے۔ چھاتی کے کینسر کی شناخت کا ایک اور حساس طریقہ میموگرافی بھی ہے۔

مردوں کے لئے وقتاً فوقتاً یہ دیکھتے رہنا کہ فوطوں میں کہیں سے ابھار یا کوئی سختی وغیرہ تو نہیں آگئی ہے ضروری ہے کیونکہ اس سے بھی کینسر کی شناخت ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ تمباکو نوش مرد اور خواتین دونوں کو چاہئے کہ ہفتے دو ہفتے کے وقفے سے آئینے کے سامنے منہ کھول کر اپنے حلق کا معائنہ کیا کریں اس سے ناک کان اور گلے کے خطے میں اگر کوئی غیر معمولی غدود وغیرہ کی نشو ونما ہورہی ہوگی تو اس کا پتہ چل جائے گا اور علاج ممکن ہوسکے گا۔ خود معائنگی کے تصور کو اسپتال سے رجوع کرنے والے مریضوں میں فروغ دیا جارہا ہے کیونکہ ابتدائی مرحلے میں کینسر کی شناخت میں کوئی برقی علاج بھی کارگر ہوسکتا ہے۔

ابھی حال میں بالٹی مور، امریکہ کے جان ہاپکنس اسکول آف میڈیسن کے سائنس دانوں نے جانچ کا ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا ہے جس کے تحت کینسر زدہ انسانی خلیوں کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ یہ تحقیق ابھی ابتدائی مراحل میں ہے اور عام لوگوں کی اس تک رسائی ہونے میں ابھی وقت لگے گا۔ اس سے پھیپھڑے، گردن مثانے اور سر کے کینسر کی شناخت ممکن ہے اور یہ تھوک، پیشاب اور نسیجوں کے نمونوں پر کئے گئے لیبارٹری تجربوں پر مشتمل ہے۔ یہ جانچ مولیکولر بایولوجی میں جدید تحقیقات کے ساتھ اس نئے تصور پر مبنی ہے کہ خلیوں کی تقسیم کو کنٹرول اور ان کی نگرانی کرنے والے انزائموں میں کوئی خرابی واقع ہونے کی صورت میں خلیوں کے اندر ایک ایسا مادہ پیدا ہونے لگتا ہے جسے کینسر کہا جاتا ہے۔ انسانی جسم کے اندر ایک ایسا خلیہ جو اس کنٹرول اور نگرانی کے قواعد وضوابط سے بغاوت کر بیٹھتا ہو اور کئی حصوں میں منقسم ہوجاتا ہو وہ آگے چل کر اپنے جیسے خلیوں کا ایک مجموعہ بنا لیتا ہے جسے کلون کہتے ہیں اگر چہ ڈاکٹروں کو اس ٹیسٹ سے کافی امیدیں وابستہ ہیں۔ لیکن کلینکی طب کا حصہ بننے میں اسے خاصا وقت درکار ہے اس کے علاوہ یہ طے کرنے کی ضرورت ابھی باقی ہے کہ یہ ٹیسٹ اب تک رائج مقبول طریقوں کے مقابلے میں کس حد تک بہتر ہے اور کینسر سے صحت یابی کے امکانات نسبتاً کتنے زیادہ ہیں۔ جان ہاپکنس ہاسپٹل کی کینسر ریسرچ ٹیم کے سربراہ کا کہنا ہے کہ اس ٹیسٹ کے ذریعے وہ کینسر کے ظاہری شکل میں آنے سے پہلے اس کا پتہ چلالیں گے۔ اور اس کے لئے وہ مثانے یا آنت میں ٹیوب ڈال کر ایکسرے لینے کا طریقہ اختیار کرسکتے ہیں۔ بقول ان کے اس ٹیسٹ پر محنت کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جراحی کے قابل چھوٹے چھوٹے سے ٹیومر یا غدود کی بھی نشاندہی کی جاسکے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر چہ اس ٹیسٹ کو تین چار اقسام کے کینسر سے مخصوص کیا گیا ہے لیکن مستقبل میں کسی بھی طرح کے کینسر کی اسکریننگ اس کے ذریعے ممکن ہوسکے گی۔ انہوں نے بتایا کہ سر اور گردن کے کینسر پر خصوصی توجہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں جگہیں ایسی ہیں کہ اگر وہاں سے کینسر کے اثرات کو ایک بار زائل کیا جائے تو دوبارہ وہیں پر اس کے ابھرنے کا کافی امکان رہتا ہے۔

جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے کہ علاج سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کو کینسر کے خطرات سے آگاہ کیا جائے اور اس سے بچاؤ کی تدبیروں کی اہمیت کا انہیں احساس دلایا جائے۔ حفاظتی تدابیر میں سرفہرست یہ ہے کہ تمباکو نوشی یا دیگر شکلوں میں اس کے استعمال مثلاً پان، بیڑی سگریٹ سے ہر ممکن پرہیز کیا جائے۔ یہاں یہ بتادینا

> **ضرورت اس کی ہے کہ لوگوں کو کینسر کے خطرے سے آگاہ کیا جائے اور اس سے بچا جائے۔ کھانے پینے کی عادات بھی انسان کو کینسر ہی نہیں بلکہ اس سے متعلق دیگر امراض سے محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔**

ضروری ہے کہ جو لوگ یہ سوچ کر سگریٹ پیتے ہیں کہ وہ دھواں حلق سے نیچے نہیں اتارتے اس لئے کوئی نقصان نہیں پہونچے گا تو یہ خیال درست نہیں ہے۔ شراب نوشی سے تو بہر حال خطرے کو دعوت دینا ہے۔ غیر ضروری ایکسرے سے بچنا چاہئے۔ زیادہ دیر تیز دھوپ میں رہنے سے بھی نقصان پہنچتا ہے۔ کام کی جگہ پر محفوظ ماحول بنانا چاہئے جس میں چہرے پر ماسک دستانے وغیرہ بوقت ضرورت پہنے جائیں۔ خواتین کو مانع حمل گولیوں کے بجائے ضبط تولید کے دیگر ذرائع اختیار کرنے چاہئیں۔ دیر میں بھرنے والے زخم کی طرف سے غفلت نہ برتیں۔

اس کے علاوہ کھانے پینے کی عادات بھی انسان کو کینسر ہی نہیں بلکہ اس سے متعلق دیگر امراض سے محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ متعدد مطالعات سے یہ بات ثابت ہے کہ گوبھی اور ہرے پتوں والی سبزیاں کولون، آنت، نظام تنفس، چھاتی اور زیر رحم کے کینسر سے محفوظ رکھنے میں معاون ہوتی ہیں۔ ریشے دار غذا مثلاً چوکر والی روٹی، گیہوں، چھلکے دار سیب کشمش سنترہ آلو، پالک، مٹر اور ٹماٹر کا بہ کثرت استعمال کولون اور مقعد کے کینسر کے لئے مفید ہے۔ وٹامن اے اور سی کی بھرپور مقدار جسم میں پہنچنے سے حلقوم، آنت، مثانے اور زیر رحم کے کینسر سے حفاظت ہوتی ہے۔ وٹامن جیسا کہ ہم میں سے اکثر لوگ جانتے ہیں دودھ سے بنی ہوئی غذاؤں انڈے کی زردی، تازے پھلوں، کلیجی اور ہری سبزیوں میں ہوتا ہے۔ وٹامن سی سنترے، ہری اور لال مرچ ٹماٹر، اسٹرابیری اور بند گوبھی میں کافی مقدار میں ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ گولیوں یا کیپسول کے بجائے وٹامن دار غذاؤں کو ان کی اصل حالت میں کھایا جائے۔ اس کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ نسلوں پہلے عام آدمی کسی ٹانک یا گولی اور کیپسول کا نام بھی نہیں جانتا تھا۔ اس کے لئے اصلی غذائیں ہی ٹانک تھیں اور دوا کے نام پر نیز پودوں کی جڑ اور پتوں سے تیار کردہ عرق پی کر صحت مند رہتے تھے اور آج کے برعکس بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتے تھے۔ تازہ پھل اور سبزیوں کے ساتھ جڑی بوٹیوں کی خواہ وہ نیم ہی ہو بہت اہمیت ہے۔ وٹامن اے جس کی اہمیت کا بھی ذکر ہوا اس کا ایک بڑا ذریعہ چھاج یا مٹھا ہے یہ جسمانی نظام کو بحال رکھنے میں بہت کارآمد اور ہاضمہ کو درست رکھنے کے ساتھ ساتھ جسم کے خلیوں کو مضبوط کرتا ہے۔ اور اس میں سب سے اچھی بات یہ ہے کہ چکنائی نہیں ہوتی جب کہ تلی ہوئی اور چکنائی دار غذائیں کینسر کو بڑھاتی ہیں۔

## پیشاب کی زیادتی اور شدت کی پیاس لگتی ہو تو سمجھ لیجئے کہ

# آپ کے بچے کو شوگر ہے

خاندان میں کسی فرد کو شکر کا عارضہ لاحق ہو جائے تو سب لوگوں کے لئے مستقل تشویش کا باعث بن جاتا ہے اور خصوصاً جب بچوں کو یہ شکایت پیدا ہو تو اس کے علاج کی طرف سے اور محتاط رہنا پڑتا ہے۔ شکر کے مرض کا مطلب ہے خون میں شکر کی مقررہ مقدار میں اضافہ اور زیادتی اور یہ نوبت اس وقت آتی ہے جب پنکریاتی غدود سے خارج ہونے والے انسولین ہارمون اسے جلا نہیں پاتے۔ غذا میں موجودہ اسٹارچ اور شکریلے اجزاء سے گلوکوز حاصل ہوتا ہے جو جسم کی رطوبت کے ساتھ مل کر گلوکوز کو جذب کرتی ہے۔ اس گلوکوز کو انسولین جسم کے تمام حصوں اور رگوں میں پہنچاتا ہے جس سے جسم کو مطلوبہ قوت ملتی رہتی ہے۔ اس عارضہ کا اہم ترین سبب ہے بچے کے جسم کے نظام مدافعت میں خلل واقع ہو جانا جس کے بعد جسم خود بخود پنکریائی خلیوں کو تباہ کرنے لگتا ہے۔ یا دوسرا سبب موروثی بھی ہوسکتا ہے یعنی کہ اگر گھر میں پہلے کسی کو بچپن سے مرض رہا ہو یا بچے کو خسرے کے وائرس کا اثر رہا ہو یا پنکریاتی غدود میں سوزش ہوئی ہو تو اس کے نتیجے میں یہ مرض لاحق ہوسکتا ہے۔

ایسی حالت میں ماؤں کو یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ بچے کو پیشاب تو بار بار نہیں آتا ہے اور اس کے ساتھ شدت کی پیاس تو نہیں لگتی اور پیشاب کی نالیوں میں سوزش تو نہیں ہوتی کیونکہ پیشاب کی کثرت اور انسولین کی کمی کی وجہ سے گردے اس مادے کو پیشاب کے ذریعے خارج کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ مرض کی ابتداء میں بچے کا وزن تیزی سے کم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جسم کا پانی سوکھنے لگتا ہے اور جلد پر بھی خشکی آنے لگتی ہے۔ ایسے بچے اکثر اسپتالوں میں آتے ہیں کہ ان کے جسم کا پانی سوکھ چکا ہوتا ہے اور اس خشکی کے نتیجے میں تنفس بھی تیز ہو جاتا ہے جس میں خشکی خاص طور پر بہت زیادہ ہو جاتی ہے جو جسم میں شکر کی کافی بڑھتی ہوئی مقدار کی علامت ہے۔

بچوں کے سلسلے میں اس مرض کے علاج کے لئے تین باتوں کی طرف دھیان دینا اشد ضروری ہے پہلے تو یہ کہ خود اہل خاندان اور مریض بچے کو اس کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی جائیں اور یہ کہ یہ مرض قابل علاج ہے۔ اس میں تاعمر علاج کی اہمیت پر زور دیا جائے اور یہی بات اہل خاندان کو صدمے سے دور کرتی ہے۔ اس کی واحد دوا انسولین یا اس کے ہارمون ہیں جو خون میں شکر کے تناسب کو کم کرتے ہیں۔ ہارمون کے انجکشن دو بار روز لگائے جاسکتے ہیں۔ بچے کی غذا میں دو باتوں کا خیال رکھا جائے۔ یعنی یہ کہ بچے کو جو چیز پسند ہو وہی کھلائیں بس کرنا یہ ہے کہ اگر اس میں شکر کا تناسب زیادہ ہو تو انسولین کی مقدار بھی اس میں بڑھی ہوئی ہونی چاہئے یا دوسرا مقبول طریقہ یہ ہے کہ اسٹارچ اور میٹھے کی مقدار کو محدود کر دیا جائے

# وقت آگیا ہے کہ امریکہ ایک اور انقلاب کے لیے تیار ہو جائے

## امریکہ ایسی تخریبی بدعنوانی میں ملوث ہے جو زوال آمادہ ریاستوں کی شان رہی ہے

### کیلون فلپس کی کتاب میں امریکی سیاسی نظام کا بھرپور جائزہ

غالباً کلنٹن کو مستثنیٰ کرکے موجودہ امریکی سیاست میں واشنگٹن سے زیادہ گندہ لفظ کوئی اور نہیں ہوگا۔ یہ لفظ ہر اس بات کا امر بن گیا ہے جس سے قانون وضابطہ کی خلاف ورزی ورسوائی ہوتی ہو۔ یہی نہیں بلکہ قومی غم وغصہ کے اظہار کی علامت کے طور پر بھی "واشنگٹن" کا نام اب عام ہوگیا ہے۔ عوام کی اس برافروختگی اور جھنجھلاہٹ کے موضوع کا ایک بار انتخاب ہوجائے تو اسے تاریخی سیاق پر رکھکر اس پر کسی نظریے کا خول چڑھا دیا جائے۔ جب اتنا ہوچکے تو بعض معالجاتی تدابیر بھی تجویز کردی جائیں اور ان سب کے امتزاج سے جو چیز پیدا ہوگی وہ ہے کیلون فلپس کی قابل مطالعہ شعلہ بیاں کتاب جس کا نشانہ موجودہ امریکی سیاسی نظام کا طریقہ کار یا یوں کہہ لیجئے کہ اس کی ناکامی ہے۔

کیلون فلپس کا نظریہ یہ ہے کہ امریکی سیاسی نظام اور اس کی تمام تر ذہنی صلاحیتوں کا مقصد پر امن انتخاباتی انقلاب کے ذریعے تقریباً ہر نسل کے دور میں ایک بار واشنگٹن کے اعلیٰ برسر اقتدار طبقہ کا صفایا کرنا ہے۔ یا جیسا کہ مرکزی اقتدار کے شدید مخالف جیفرسن کا خیال ہے کہ "ہر نسل کو اختیار ہے کہ وہ اپنے لئے ایسی حکومت انتخاب کرے جسے وہ اپنی خوشحالی کے فروغ کی کلی ضامن سمجھتی ہو"۔

ایروگنٹ کے مصنف کیلون فلپس کا کہنا ہے کہ اب وقت آپہنچا ہے کہ امریکی سیاست اپنے وقفہ جاتی تجویز وعمل سے گذرے یا جیفرسن کی اصطلاح میں ایک اور انقلاب کے لئے تیار ہو جائے۔ واشنگٹن اپنے معاملات میں اس قدر بے حیا اور اپنی اغراض کا ایسا غلام بن چکا ہے کہ اس پر عوام کا قابو باقی رکھنا ناممکن ہوگیا ہے۔

فلپس کا دعویٰ ہے کہ ایک مفاد پرست با اقتدار طبقہ واشنگٹن کے امور میں خود کو زیادہ سے زیادہ دخیل بناتا رہا ہے اور اب اس چھوٹے سے گھر کو ایک وسیع اور محفوظ قلعے کی شکل دینے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ امریکی سیاست کے تعمیری تخریب کے عام عمل کا اس پر کوئی اثر ہونا بند ہوگیا ہے۔ فلپس کے نسل وار تجدید کے نظریے کے مطابق جس انقلاب کو وہائٹ ہاؤس پر 1970 اور 1980 کی دہائی کے دوران ریپبلکن غلبے سے جنم لینا چاہئے تھا وہ نامکمل ثابت ہوا۔ نئے تبدیلی شکن اور دوام صفت واشنگٹن نے اسے بھی زیر کرلیا۔

امریکی دارالحکومت میں حالیہ چند سالوں میں واقعی قابل ذکر ترقی ہوئی ہے۔ ڈسٹرکٹ آف کولمبیا بار میں 1950 میں ایک ہزار سے کچھ ہی زائد ممبران تھے اور آج ان ممبران کی تعداد اکسٹھ ہزار ہے۔ اسی عرصہ میں واشنگٹن میں صحافیوں کی تعداد پندرہ سو سے بڑھ کر بارہ ہزار ہوگئی۔ 1970ء سے اب تک کانگریس کے اسٹاف میں دوگنا اضافہ ہوچکا ہے ایک اندازے کے مطابق کسی نہ کسی قسم کے دھڑے باز واشنگٹن میں رونق افروز رہتے ہیں۔

فلپس بڑے افسوس کے ساتھ یہ محسوس کرتے ہیں کہ واشنگٹن یہ سب کچھ دیکھنے کے لئے نہیں بنا تھا۔ عمر رسیدگی امریکی نظام کی شریانوں کو

> کیلون فلپس کا کہنا ہے کہ واشنگٹن اپنے معاملات میں اس قدر بے حیا اور اپنی اغراض کا ایسا غلام بن چکا ہے کہ اس پر عوام کا قابو باقی رکھنا ناممکن ہوگیا ہے۔

خشک کیے دے رہی ہے اور اس کی اکڑ فوں اور تلون مزاجی غالباً اس بات کا اشارہ ہے کہ امریکہ ایسی تخریبی بدعنوانی میں مبتلا ہوچکا ہے جو ماضی میں زوال آمادہ ریاستوں کی شان امتیاز رہی ہے۔ روم، ایتھینز، اسکندریہ، انآکیہ اور اسپین کی مثالوں سے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے۔ زوال اور انحطاط کے دوسرے عوامل پر بھی روشنی ڈالی ہے مثلاً دو جماعتی نظام کی بے عملی، مالیاتی نظام پر سے گرفت کا ہٹ جانا، جذباتی صنعت پر حد درجہ کا ناموزوں تحفظ۔ اس بدنظمی پر قابو پانے کے لئے مصنف کی تجویز یہ ہے کہ واشنگٹن کو اقتدار کا مرکز مزید نہ بنایا جائے بلکہ یہ کہ مختلف شہروں کو یکے بعد دیگرے اس مقصد کے لئے منتخب کیا جائے۔ ملک گیر استصواب کے لئے کوئی لائحہ عمل وضع کرکے کیلیفورنیائی طرز کی جمہوریت کی طرف قدم بڑھایا جائے۔

یہاں کہے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ مصنف موصوف نے اپنی کتاب میں جس خوں آشام طبقے پر حملے کیے ہیں خود ان کا تعلق اسی سے ہے۔

وہائٹ ہاؤس

واشنگٹن کے نواح میں وہ ایک عالیشان مکان میں رہتے ہیں اور ایک مؤقر سیاسی خبرنامہ کی ادارت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اور واشنگٹن کے صحافتی حلقوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ واشنگٹن کی اقتدارانہ صنعت کی اس عوامی شاخ سے وہ وابستگی رکھتے ہیں جو وہاں کی اقتدارانہ صنعت پر حملے کرکے دولت کماتی ہے۔ لیکن یہ تو ان کے بیان میں نمایاں ترین تضاد کی ایک مثال ہے۔

بعض دیگر تضادات کی نشاندہی بھی باسانی کی جاسکتی ہے امریکہ کا ان کی طرف سے مفروضہ زوال ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب کہ وہاں کی معیشت آگے کی طرف رواں دواں ہے، جب کہ ملک کی سالمیت کو کوئی خطرہ نہیں ہے اور جب امریکی اقدار دنیا میں اس طرح فروغ پا رہی ہیں جس کی کوئی نظیر پہلے نہیں ملتی۔ مسٹر فلپس جا بجا واشنگٹن کی ایک جگہ مرتکز ہوتی ہوئی طاقت پر معترض تو ہیں لیکن وہ مضبوط تر مرکزی حکومت کے بھی خواہاں ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ "انتظامیہ اور مقننہ کے اختیارات میں تفریق اٹھارہویں صدی کی غلط اندازی کا نتیجہ تھی۔ غیر ملکی دھڑے بازوں کی عنان گیری کے تو وہ قائل ہیں اور بڑھتے ہوئے غیر ملکی اثر سے بھی خائف ہیں لیکن اپنی دلیل کی حمایت میں غیر ملکی تجربات وخیالات سے استفادہ بھی خوب کرتے ہیں۔

اس سے بھی بدتر بات یہ ہے کہ غیر ملکی چیزوں کے تئیں اپنے شک وشبہ کا اظہار وہ تحفظ پسندی کی حد تک کرتے ہیں۔ ان کی اقتصادی حب الوطنی کا تقاضہ ہے کہ وہ غیر ملکی سرمایہ کاری کو مقامی سرمایہ کاری کے مقابلے میں کم منافع بخش قرار دیں۔ اس تیقن کے مقصد سے کہ امریکہ برابر اپنی تجدید کرتا رہے کھلے بازار شاید کسی بھی سیاسی اصلاح سے زیادہ مؤثر ثابت ہوں۔

اگر مصنف کا ارادہ امریکی مزاج اور ذہن کی عکاسی کرنے کا ہے تو اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ امریکہ نہ صرف غضب ناک ہے بلکہ بدحواس بھی ہے۔ کیا یہ غضب ناک اور بدحواسی ایسی علامتیں نہیں ہیں جن سے یہ ظاہر ہو کہ امریکہ پہلے ہی سے ایک طرح کے پرامن انقلاب کے دور سے گزر رہا ہے جسے دیکھنے کو ان کی آنکھیں ترس رہی ہیں۔

ARROGANT CAPITAL
By : Kelvin Phillips
Little Brown ; 256 Pages;
Price : $22.95

## امریکہ کے دو معروف مصنفوں کا شوشہ

# "گورے ذہین اور کالے غبی ہوتے ہیں"

## انسانوں کو گورے اور کالے میں تقسیم کرنیوالی کتاب پر امریکہ میں زبردست ہنگامہ

کیا ذکاوت و ذہانت کا چہرے کے رنگ سے کوئی تعلق ہے؟ یہ سوال جس سے بھی کیا جائے گا وہ اس کا جواب نفی میں دے گا۔ لیکن اس کے برعکس انسانی علوم کے دو ماہرین کا فیصلہ ہے کہ گوری رنگت والے افراد کالے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ ذہین ہوتے ہیں اور ان میں ذہانت کا تناسب 100 اور 85 کا ہوتا ہے۔ ان ماہرین کے خیال کی رو سے کالا آدمی ہر میدان حیات میں گورے آدمی کے مقابلے میں پیچھے اور ہر اعتبار سے پسماندہ رہے گا ہمیشہ اسی حالت پر قائم رہے گا کیوں کہ وہ کسی بھی طرح اپنی جسمانی اور ساختیاتی قدغن یا رکاوٹ کو اپنی راہ سے ہٹا نہیں پائے گا۔ اور اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ امریکی معاشرہ جسے اس مطالعہ و تحقیق کا موضوع بنایا گیا ہے وہ پیش ماندہ گورے افراد اور پسماندہ کالے افراد میں منقسم ہے اور اس کا یہ مطلب ہوگا کہ گورا آدمی اپنے پیشے، تعلیم، صحت اور منصب ہر اعتبار سے رہتی دنیا تک کالے آدمی پر فوقیت رکھے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ موضوع خاصا تشویش ناک اور چوکنا کرنے والا ہے۔ اس نظریے کو پیش کرنے والے ماہرین میں سماجیات کے پروفیسر چارلس موری اور نفسیات کے پروفیسر ہرنچٹائن ہیں، جو امریکہ کی معروف دانشگاہ ہارورڈ یونیورسٹی سے وابستہ ہیں اور اپنے علمی تفوق کے لئے معروف ہیں۔ ان حضرات کی مشترک قلمی کاوش معنون بہ "امریکی معاشرے میں ذکاوت کا طبقہ وارانہ مطالعہ" کے پہلے ہی ایڈیشن کے دو لاکھ نسخے فروخت ہوچکے ہیں۔ یہ تعداد یقیناً ایک ایسی علمی کتاب کے ضمن میں حیرت ناک ہے جس کا پڑھنا اور سمجھنا مشکل ہو اور جو کسی مخصوص فکر یا نظریے سے بحث کرتی ہو کیوں کہ جیسا بازار کا عام مزاج ہے چٹ پٹی کتابیں زیادہ بکتی ہیں۔ دونوں مصنفین نے یہ نقطہ نظر پیش کیا ہے کہ اجتماعی زندگی میں ترقی فرد کی ذکاوت پر منحصر ہے نہ کہ جیسا کہ ابھی تک سمجھا جاتا رہا ہے کہ مال و دولت پر یا خاندان اور سیاسی یا سماجی روابط پر۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ ذہین افراد زندگی میں ترقی کے ساتھ ساتھ شہرت، دولت اور کامیابی کے مالک تو بنیں گے ہی وہ اپنے جیسی ذہین اولاد بھی پیدا کریں گے جو ان کی ہی طرح اپنی زندگی میں کامیابی و کامرانی سے سرفراز ہوں اور یہ سلسلہ دائمی طور پر جاری رہے گا۔ اور کم ذہانت والے یعنی کالے لوگ نہ ہی ترقی کریں گے اور نہ ہی کوئی مقام حاصل کریں گے اور ان کی طرح ان کی اولاد ایسے تمام مواقع سے محروم رہے گی۔ اس طرح امریکی معاشرہ دو واضح طبقات یا زمروں میں تا ابد منقسم رہے گا جس میں ایک تو بتدریج ترقی کی طرف بڑھتے جائیں گے اور دوسرا مسلسل تنزلی اور انحطاط کا شکار رہے گا۔ گویا ایک ذہین اور متمول طبقہ ہوگا اور دوسرا غبی اور غریب طبقہ۔ اگر اس کتاب نے امریکہ میں کوئی ہیجان پیدا کیا تو اس کے اثرات دور تک جائیں گے کیوں کہ اس سے نسلی عصبیت کی سیاست کا نہ صرف احیاء ہوگا بلکہ اسے تقویت بھی ملے گی اور یہی ابھی تک امریکی معاشرے کے لئے ایک بڑا مسئلہ رہا ہے۔ اگر ہم اس نظریہ پر عمومی نظر ڈالیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کی سیاہ فام اقوام پر محض اس وجہ سے دائمی پسماندگی کا لیبل چسپاں کر دیا جائے کہ اس نظریہ کے حامیوں نے ایسا ہی نتیجہ نکالا ہے۔ یہاں یہ بات یاد دلا دینا برمحل ہوگا کہ تمام تر تاریخی شواہد سے ایسے نظریات کی نفی ہوتی ہے۔ تاہم ہمیں اہل علم کے رائے کا انتظار رہے گا۔

> اگر اس کتاب نے امریکہ میں کوئی ہیجان پیدا کیا تو اس کے اثرات دور تک جائیں گے کیوں کہ اس سے نسلی عصبیت کی سیاست کا نہ صرف احیاء ہوگا بلکہ اسے تقویت بھی ملے گی اور یہی ابھی تک امریکی معاشرے کے لئے ایک بڑا مسئلہ رہا ہے۔

Invitation Price Rs. 4/-
16 - 31 January, 1995

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-16036/94

# The Milli Times International

(India's first International Urdu Weekly)
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018

## مغرب کی دبی کچلی عورت کی آزادی کا مسئلہ

تھکی ہاری، نا آسودہ محرومیوں کا شکار، پریشانیوں سے بے حال، دفتروں کی ماری، گھر کے سکون سے خالی، ٹائپ رائٹر پر کاغذ کا کبھی نہ ختم ہونے والا سرا ہاتھ میں لیے، دلکش لباس زیب تن کئے اور ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ لگائے اگر کوئی خاتون مصروف عمل نظر آئے تو بس سمجھ لیجئے کہ یہ مغرب کی آزاد عورت ہے جو اپنی آزادی سے پریشان اب گھروں تک لوٹ جانے کی شدید خواہشمند ہے۔ اسے خوب معلوم ہو چکا ہے کہ آزادی نسواں کی تحریک نے اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا ہے۔ اس کے ہاتھ شل، دماغ بوجھل اور روح پر کاغذوں کی ایک عجیب سی آندھی چھائی ہوئی ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں کاغذ کا جو سرا اس کے ہاتھ میں آیا تھا اس کے دوسرے سرے تک پہنچنے میں چالیس بیالیس سال گذر گئے اور جب جا کر یہ محسوس ہوا کہ ہائے زندگی دفتروں کے سحر میں کچھ ایسی گذر گئی کہ اس کے جینے کا کچھ مزا نہ آیا۔

ابھی بہت زیادہ دن نہیں ہوئے جب امریکہ میں کوئی پچاس ہزار نوجوان لڑکیوں نے ایک جلوس نکالا تھا جس میں انہوں نے جنسی بے راہ روی سے تائب ہونے اور خود کو شادی سے پہلے جنسی عمل سے محفوظ رکھنے کا عہد کیا تھا۔ مغرب میں یہ تحریک مسلسل زور پکڑ رہی ہے کہ عورتوں کو ان کی خالصتاً خانگی زندگی اختیار کرنے کا حق دیا جائے۔ روزگار کے حصول کی مشقت ان پر مزید نہ ڈالی جائے تاکہ وہ بھی مشرق کی طرح اپنے گھر میں اپنے آپکو محفوظ و مامون محسوس کر سکے۔ مغرب کے ہاتھوں روحانی، جذباتی اور جنسی استحصال کی شکار عورتوں کو اسلام ایک متبادل اور پر سکون گھر کی ضمانت دیتا محسوس ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ برطانیہ میں اسلام کی طرف آنے والے پانچ نو مسلموں میں چار عورتیں ہوتی ہیں۔

ضرورت ہے کہ مسلم خواتین پر سکون گھر کے لئے اللہ کا شکر بجا لائیں جو انہیں اسلام کے توسط سے حاصل ہوا ہے اور مغرب کی دبی کچلی عورتوں کے لئے بھی واقعی آزادی کی علمبردار بن جائیں۔